دُرمعَ الدھر کیف دار

جس رُخ زمانہ پھرے اسی رُخ پھر جاؤ

مصنفہ

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

جسمین قطعات۔ غزلیات قصیدے مرثیے ترکیب بند

رباعیان۔ تاریخین۔ اور متفرق اشعار شامل ہین

حسب فرمائش مولوی ظفر الملک علوی

باہتمام احقر العباد محمد حسن

انوار المطابع لکھنو مین طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت حال

الناظر بک ایجنسی کی طرف سے دو سال سے زائد عرصہ گذرا جب مشفقی مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو سے اجازت لیکر دیوان حالی کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا گیا تھا۔ اس وقت عجلت کی وجہ سے جہاں کتابت و طباعت مین بعض نقائص رہ گئے تھے وہین کتاب بھی زیادہ تعداد مین نہین چھپوائی جا سکی۔ خیال تھا کہ فوری ضرورت کے رفع ہوجانے کے بعد انجمن کی طرف سے بہتر سامان و انتظام کے ساتھ جو جدید ایڈیشن نکلے گا اُس سے قدردان شائقین کی تشفی ہوجائے گی لیکن انجمن کے ایڈیشن کے لیے ابھی مزید انتظار کی حاجت ہے اور طبع ثانی کے نسخے قریب قریب ختم ہوچکے۔ اس لیے یہ تیسرا ایڈیشن جدید اجازت نامہ کی بنا پر شایع کیا جاتا ہے۔

اس ایڈیشن کی طباعت کا کام میری اسیری کے زمانہ مین ہوا۔ اس لیے افسوس ہے کہ کاغذ وغیرہ کا بہتر انتظام اب بھی نہ ہوسکا۔ البتہ کتابت کے وہ نقائص حتی الامکان رفع کردیے گئے جو سابقہ ایڈیشن مین محض طبع اول کے نسخہ کی مجبورانہ تقلید کے باعث رہ گئے تھے۔

اب کاغذ کا نرخ ارزان ہورہا ہے اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن کے وقت انشاء اللہ بہتر ساز و سامان نظر آئے گا۔ وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

ظفر الملک علوی

لکھنؤ - ۱۵ - اگست ۱۹۲۲ء

مولانا حالی مرحوم کو جدید دورِ شاعری مین جو منزلت حاصل ہی وہ محتاج بیان نہین لیکن کس قدر افسوسناک اور قابل غیرت وندامت یہ امر ہی کہ مولانا حالی کا دیوان، جو سنہ ۱۸۹۳ء مین چھپا تھا، اس کا دوسرا ایڈیشن آج تک ملک کے سامنے پیش نہین کیا گیا، حالانکہ اُن کی زندگی ہی مین دیوان کے تقریباً سب نسخے فروخت ہو چکے تھے اور حُسن قبول کا سہرا اُن کے سر بندھ چکا تھا حسن قبول کا اندازہ کسی قدر اس دفعہ سے ہو سکتا ہی کہ علاوہ مسدس حالی کے جو دیوان حالی کا کوئی جزو نہین: مجموعہ نظم حالی، رباعیات حالی قطعات حالی اور متفرق نظمین علحدہ علحدہ شایع ہو کر فروخت ہو رہی ہین اور اُن مین سے اکثر حصے کئی کئی بار اور مختلف مطابع مین طبع ہوے ہین۔

ورثاء حالی کو باوجودیکہ متعدد بار توجہ دلائی گئی لیکن افسوس ہے کہ اُنھون نے قطعاً التفات نہ کی۔ غنیمت ہی کہ مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک پر بالآخر مولانا حالی کے خلف و جانشین خواجہ سجاد حسین صاحب نے انجمن ترقی اُردو کی طرف سے دیوان حالی کی اشاعت منظور کی۔ اور انجمن کی طرف سے انشاء اللہ دیوان حالی خاص اہتمام کے ساتھ شایع کیا جائیگا۔

الناظر بک ایجنسی کے پاس اطراف ملک سے صاحبان ذوق کی فرمائشیں دیوان حالی کے طلب میں آتی رہتی تھیں اور جب سے انجمن ترقی اردو نے اپنے ارادہ کا اعلان کیا ہے سب صاحبوں کو متوقع کر دیا جاتا تھا کہ انجمن کیطرف سے دیوان حالی شایع ہونے والا ہے۔ اسی اثنا میں راقم الحروف کو یہ اطلاع ملی کہ دیوان حالی جامعۂ عثمانیہ کے درجہ ایف اے کے نصاب میں داخل کر لیا گیا ہے چونکہ انجمن کی طرف سے دیوان کی اشاعت میں تعویق تھی اس وجہ سے دیوان حالی کا یہ ایڈیشن شایع کیا جاتا ہے تاکہ طلبا ءجامعۂ عثمانیہ کی ضرورت رفع ہو جائے۔ میں مولوی عبد الحق صاحب آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو کا شکر گذار ہوں کہ اُنھوں نے اس ضرورت پر نظر کر کے مجھے دیوان حالی کے شایع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خاکسار

ظفر الملک علوی

اڈیٹر الناظر

مالک الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے   یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ نہ تھا اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا مین اس جوش اور ولولے سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل مین پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات مین جو ایک آتشگیر مادہ ہے وہ بھی اپنے مشتعل ہونے مین کسی آگ کی اشتعالک کا محتاج ہے۔ پھر قوم[1] کا کلام بھی جہانتک دیکھا گیا اسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ با اینہمہ حداثت سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیرزال کی صورت مین کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہہ سرکہ بے نمک سے ضیافت طبع کیجائے۔ غرضکہ ایک مدت تک یہ خیال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بلکہ جس شعر مین یہ چاشنی نہ ہوتی تھی اسپر شعر کا اطلاق کرنے مین بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سودا اچھلا آنکھین بند کیے ہوئے اسی شارع عام پر چلے جسپر گمرہون کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ قافلہ کا ساتھ۔ راہ کی

(عاشق ہونا ۱۲ عاشق بننا ۱۲)

[1] قوم سے یہان اسکے متعارف معنی مراد نہین ہین۔ بلکہ یہان قوم سے مراد شعرا ہین ۱۲

ہمواری۔ اور رہگذر کی فضا چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرنیکا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا۔ وہ تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت مین حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے غزل و تشبیب کی امنگ انفعال کے ساتھ بدلگئی اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہین۔ مگر یہی جواب دیا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

یقولون[1] ھل قبل الثلثین ملعب فقلت وھل بعد الثلثین ملعب

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہین وہ جانتے ہین کہ یہ خون جہان منھ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھٹتا ہی۔ مگر زمانہ کی ضرورتون نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمی باتون پر آفرین سننے سے دلشکن مگر کام کی باتون پر نفرین سننی بہتر ہی۔ اور حاکم وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ و بلبل کی قسمت کو تو بہت رو چکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہین۔

یکرہ بحال خویش ہم آخر توان گریست تا چند بر فلان و بہ بہمان گریستن

کچھ نظمین قوم کی حالت پر لکھی گئین بعضون نے پسند کین اور بعضون نے ناپسند۔ مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بیمزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتین او پری تھین مگر جی کی۔ جو نظمین کسی قدر طولانی تھین وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شایع ہو چکی ہین۔ اب زیادہ تر کچھ بچے کھچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہین جنمین سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس مین اور کچھ غزل کے روپ مین ظاہر کیے گئے ہین۔ انکے سوا چند ترکیب بند۔ ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخین ہین جنمین سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقتٍ شایع ہو چکی ہین لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہین ہوئین پہلا کلام جو عالم جہل و ناداقی یا خلاصہ زندگانی کی نشانی ہی وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانیکے بعد جسقدر بچا ہی اب تک محفوظ ہی۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہی کہ جو کام اسکی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہی عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہو وہ اسکو بڑے فخر کے

[1] یعنی لوگ کہتے ہین کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہی؟ سو مین نے اُن سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہی؟ ۱۲

ساتھ پبلک مین پیش کرنے کی جرأت کرتا ہو۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہو
جس فخر کے ساتھ کہ وہ اعرابی جس نے کبھی آب شیرین کا مزہ نہ چکھا تھا ایک کھاری پانی کے
چشمہ سے مشک بھر کر ہارون رشید[1] کے دربار مین بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے کچھ
کم نہ تھا جو کلمبس امریکا دریافت کر کے ازبلا کے دربار مین اپنے ساتھ لایا تھا۔ پس یہ تمام مجموعہ
جسمین کچھ نئے اور کچھ پُرانے خیالات شامل ہین محض ایک امید موہوم پر کہ دیکھیے مردود ہو یا مقبول
ملک کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہو۔ اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنے دعوون پر آپ ہنستے ہین
شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات مین پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات کا کچھ
زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کیجاتی ہو ان خیالات کو سچی شاعری کا ایک نمونہ تصور کیا جائے
مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانون کو سچے معلوم ہوتے ہین ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہین یا
نہین خود ہمکو بھی معلوم نہین۔ تا بدیگران چہ رسد۔ جیسا کام محض سچے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے
ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش تحسین و آفرین کے لالچ
جلب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہو۔ اور خود کرنیوالے
کو اپنے کام کا منشا معلوم نہین ہوتا لیکن اگرچہ ہم اسوقت نہونگے۔ مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ اور
پانی کو الگ کیے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزہ کی طرح
جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔

[1] یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہو یعنی ہارون رشید کے زمانہ مین ایک بدّو نے جسنے کبھی دجلہ کے شیرین پانی کا مزا
نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرا مین ایک چشمہ ملا جسکا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شور پانی کہ وہ
بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اُس سے کسی قدر میٹھا تھا وہ خوشی خوشی اس کی ایک مشک بھر کر بغداد مین پہونچا اور
خلیفہ کے دربار مین اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اسکی سبکی
بدوی پر ظاہر نہین ہونے دی۔ اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے
ورنہ اپنے دل مین شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ تموت۔ اذا لم تحیین اصول[1]

ناظرین کو معلوم ہی کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہین تو خیالات کے ساتھ طرز بیان نہین بدلتی۔ گاڑی کی رفتار مین فرق آجاتا ہی مگر پہیّا اور دُھرا بدستور باقی رہتا ہی۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیے تھے۔ مگر اسلوب بیان مین مطلق فرق نہین آیا۔ جو تشبیہین اور استعارے پہلے مدح۔ ہجا۔ غزل اور تشبیب مین برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت مین استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر مین اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہی۔ یہ ممکن ہی کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائین مگر اُن کے طریقۂ بیان سے دست بردار نہین ہو سکتے جسطرح کسی غیر ملک مین نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک مین روشناس ہونے اور اہل ملک کے دلمین جگہ کرنے کے لیے اسی ملک کی زبان مین گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع۔ صورت اور لباس کی اجنبیت کو ملک [illegible] ان کے اتحاد سے بالکل زائل کرے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرز بیان مین قدما کی طرز بیان سے بہت دور نہ جا پڑے۔ اور جہانتک ممکن ہو اپنے خیالات کو انھین پیرایون مین ادا کرے جن سے لوگون کے کان مانوس ہون۔ اور قدما کا دل سے شکر گذار ہو جو اسکے لیے ایسے منجھے ہوے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہین کہ اس مجموعہ کو اور نیز اُن نظمون کو جو پہلے شایع ہو چکی ہین دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان مین نئی بات کون سی ہی؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون۔ اور نہ طرز بیان ہی مین کوئی ایسی جدت ہی

[1] ترجمہ۔ ہمنے وہ شاخین اکثر سوکھتی دیکھی ہین جنکی جڑین اس قابل نہ تھین کہ اپنی شاخون کو سرسبز رکھ سکین ۱۲

جس سے کبھی کان آشنا نہوے ہون اور یہ سمجھکر بے اختیار پکار اُٹھین کہ ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ[۱]
پس ان کی خدمت مین عرض کیا جاتا ہی کہ بیشک طرز ادا مین جیسا کہ ابھی بیان ہوچکا وہ بہت
کم فرق پائین گے۔ مگر خیالات مین ذرا بھی غور فرمائین گے تو اُن کو ایک دوسرا عالم نظر آئیگا۔ وہ
دیکھین گے کہ گو محل نہین بدلے مگر محل نشین بدل گئے ہین۔ گو پیالے وہی ہین مگر شراب اور ہی۔
نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہین ہین جو کسی کے ذہن مین نہ گذرے ہون
یا کسی کے ذہن کی ان تک رسائی نہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہین جو شاعر و ناشاعر کے
دلمین ہمیشہ گذرتے ہین اور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہین۔ مگر اسوجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور
مبتذل ہین ان کو حقیر سمجھکر چھوڑ دیا گیا اور انکی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اور پایۂ شاعری
کو اُن سے ورا الورا سمجھا گیا ہی۔ لیکن فی الحقیقة شاعری کا بھید انھین مبتذل خیالات مین چھپا
ہوا تھا جو بسبب غایت ظہور کے لوگون کی نظر سے مخفی تھا۔

دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھین کھول کر　　پھول مین گر آن ہی کانٹے مین بھی اک شان ہے

انسان مین جیسا کہ ظاہر ہی ہرگز یہ طاقت نہین ہی کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے وجود مین
لاسکے۔ اسکی بڑی دوڑ یہی ہی کہ وہ موجودات مین سے چند چیزون کو ترکیب دیکر اس مین ایک
نئی صورت پیدا کردے۔ پس جسطرح معمار عمارت تیار کرنے مین اینٹ مٹی اور چونہ کا۔ یا بڑھئی ایک
تخت کے بنانے مین لکڑی اور لوہے کا محتاج ہی۔ اسی طرح ضرور ہی کہ شاعر بھی کسی شعر کے
ترتیب دینے مین کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کیطرح نفس الامر
مین موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہی؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھون کے سامنے گذرتے ہین
خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہون۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار

[۱] قرآن مجید مین مذکور ہی کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانیکو دیا جائیگا تو وہ کہین گے ھٰذا الذی رزقنا من قبل (یعنی یہ تو وہی ہی جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت مین یکسان معلوم ہونگے مگر ہر ایک کا مزا اور لذت جدا ہوگی۔ ۱۲

چیزون سے - یا مچھر، مکڑی اور ٹِڈے جیسی بے حقیقت چیزون سے لیں جن شاعرون نے ان حالات کو معمولی باتین سمجھ کر چھوڑ دیا - اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتون پر رکھنی چاہی - اُسکی مثال اُس معمار کی سی ہوگی جو عمارت بنانے کے لیے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہین سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہی جس سے عمارت تیار نہین ہوسکتی -

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی　　　کاین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

الغرض جب سے شاعری کی نے کھلی معمولی شکار چھوڑ کر عنقا کی گھات مین بیٹھنا اور زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا - زمانہ کے حالات دیکھکر جو کیفیتین نفس پر طاری ہوتی رہین اور جن واقعات کے سننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی ان کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے مواقق شعر کا لباس پہناتے رہے - بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اقوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کیے گئے - کہین ان کو اپنے حال پر رہنے دیا اور کہین اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرکے اسکو ایک نئی صورت مین جلوہ گر کیا گیا - بعض قطعات و رباعیات مین اخلاقی مضامین کنایہ مین ادا کیے گئے جو شاید کہین کہین مطائبہ کی حد کو پہونچ گئے ہون گر انوری وسعدی وشفائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہونگے - ریا و مکر و سالوس و عُجب و خودپسندی اور اسی قسم کے اخلاق واعظ و زاہد و صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے نہ اس لیے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ علیہ کی مذمت مقصود تھی - بلکہ اس لیے کہ ان اخلاق کے بیان کرنیکا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا - سیاہی کا دھبا جیسا اُجلے کپڑے پر صاف نمایان ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہین ہوتا - ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے مواقق فقیر اور بادشاہ دونون ہوتے ہین مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت مین دکھانا منظور ہوتا ہی تو وہ ہمیشہ سلطنت کے لباس مین ظاہر کیا جاتا ہی - اسی طرح ریا و عُجب و خودپسندی اگرچہ ہر فرد بشر مین کم و بیش پائی جاتی ہے - مگر جب اُس کو علم و زہد و مشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہی تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراؤنی صورت مین جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہی -

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ہم کو بھی کہین کہین ناصح بننا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان مین بہت بڑا فرق ہے۔ اصلی ناصح خود برائیون سے پاک ہو کر اورون کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ برائیون کی ہو بہو تصویر کھینچکر دکھاتا ہے اور ڈھکے چھپے بھیدون کو رستمون کے تیر سے کھولتا ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اورون پر دھر کر ظاہر کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس مین موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریان ظاہر کر رہا ہے۔

حالی سے بدگمانی بیجا نہین ہماری　　　ہین عاشقی کی گھاتین معلوم ہکو ساری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اسمین فطرت انسانی کے دقائق وغوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگارون کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہین کھینچ سکتے اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگارون اور پارساؤن کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہین رکھا وہ رندو داوباش کی صحبتون کا ایسا چربا اُتار دیتا ہے کہ گویا انھین مین سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے۔ **ابو نواس** نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع مشکل جسمین بیانات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین مین ایسے واقعات بیان کر دیے ہین کہ خلیفہ متعجب ہو کر بے ساختہ یہ کہا قاتلک اللہ کانک کنت ثالثنا۔[1] جسکے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تیتر لڑانے والے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھولکر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتون کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی

---

[1] ترجمہ خدا تجکو غارت کرے گویا کہ تیسرا ہم مین تو تھا یعنی تو نے ایسے صحیح واقعات بیان کیے ہین کہ گویا تو بھی ہماری صحبت مین شریک تھا

اُس نے میکبث۔ جولیٹ۔ کیتھرائن۔ ڈزڈیمونا اور بعض اور لیڈیون کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھائے ہین جن کا اس سوسائٹی پر جسمین اسکی عمر گذری تھی کبھی پرچھاوان تک نہ پڑا تھا۔ ایران مین فردوسی اور ہندوستان مین انیس۔ رزم کے بیان مین صدہا باتین ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہین۔ جن سے معلوم ہوجاتا ہی کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گذرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برات ہوسکتی ہی۔ مگر پھر بھی اسکو واعظ و ناصح کا درجہ نہین دیا جاسکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہی۔ بخلاف شاعر کے کہ اس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریدنا اور واقعات دہر سے متاثر ہوکر دل کی بھڑاس نکالنی ہی اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیے نہین چلاتا بلکہ خود دیکھ بھالکر چیخ اُٹھتا ہی۔

ناصح مشفق ہین یارون کے نہ مصلح اور مشیر   درد مندان کے نہ اُن کے دکھ کے درمان ہین ہم

چھوٹ پڑتے ہین تماشا اس چمن کا دیکھکر   نالہ بے اختیار بلبل نالان ہین ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اسکے فعل کے برخلاف پایا جاسے تو اُس کو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہین چاہیئے کہ "أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ"، بلکہ اسکی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیئے کہ "إِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ"۔

انسان کے کلام مین کہین کہین اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہی بلکہ اسکے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہی کما قال اللہ تعالیٰ۔ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا"، مگر جسطرح ایک فلسفی یا مورخ کی تصنیف مین اختلاف پایا جانا اس تصنیف کو عیب لگاتا ہی اسطرح شاعر کے کلام کو عیب نہین لگاتا بلکہ اس کا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہی جسکو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیے۔ فلسفی یا مورخ ہر ایک چیز پر اسکے تمام پہلو دیکھکر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہی۔ اور اس لیے ضرور ہی کہ اسکا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہین ہی بلکہ اُس کا کام یہ ہی کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہوکر اسکے دل کو بیچین کردے اُسکو اسی طرح بیان کیجے بلکہ

پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُسکو اُس دوسری
کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہین لکھتا تاکہ اسکو حقائق
وواقعات کے ہر ایک پہلو نظر رکھنی پڑے۔ بلکہ جس طرح ایک فوٹوگرافر ایک ہی عمارت
کی کبھی رو کار کا کبھی پچھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا ہے
اسی طرح شاعر حقائق وواقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ مین بیان کرتا ہو پس ممکن ہو کہ
شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہو کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت
کرے اور بُری چیز کی تعریف کیونکہ خیر محض کے سوا ہر چیز مین شر کا پہلو۔ اور شر محض کے سوا ہر
شر مین خیر کا پہلو موجود ہو عقل۔ علم۔ زہد۔ دولت۔ عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی
ہین مگر شعرا نے ان کی جابجا مذمت کی ہو۔ اسی طرح دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور
رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہین لیکن شعرا ان کے اکثر مدّاح رہے ہین۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہو اور کبھی دوسری حیثیت سے
اُس سے نفرت دلاتا ہو۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ مین اس لیے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے
تئین ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہو۔ اور کبھی اس لیے کہ اُس نے انکی دولت مین کسی قدر اپنی کمائی
بھی شامل کی ہو جو اُنکے پاس نہ تھی اپنے تئین اُن پر ترجیح دیتا ہو۔ وہ کبھی دنیا کی اس لیے تحقیر کرتا ہو
کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہو۔ اور کبھی اُسکی بڑائی و عظمت اس لیے بیان کرتا ہو کہ وہ مزرعۂ آخرت ہے
وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اُسکی خوبیون کے سبب سے ستایش کرتا ہو اور کبھی اس کی ناگوار
کارروائیون کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی ان حیثیتون کی تصریح نہین کرتا جن پر اُس کے
مختلف بیانات مبنی ہوتے ہین۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہو تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول
جاتا ہو۔ وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہو اور کبھی ہنسنے لگتا ہو۔ مگر نہ اس کے
رونے کا منشا معلوم ہوتا ہو نہ ہنسنے کا پس ممکن ہو کہ شاعر کے کلام مین ایسی بے جوڑ باتین دیکھکر
لوگ متعجب ہون۔ مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو مین اور ویسا ہی سودا ان کے دماغ

مین نهوان کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے۔

بہ زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را نواگران نخوردہ گزند را چہ خبر"

یہ چند اصول جو اوپر بیان کیے گئے اُن سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نکتہ چینون کی زبان بند کرنی مقصود ہے کیونکہ جسطرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے۔ اسی طرح نکتہ چینون کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے۔ دوسرے نکتہ چینون سے کان اسقدر مانوس ہو گئے ہین کہ جسطرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہین ہلاتا اسی طرح مصنف نکتہ چینون کے شور و غل کی کچھ پروا نہین کرتے پس اُنکی زبان بند کرنیکی نہ طاقت ہے نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ مین یہ چند باتین جتا دی جائین۔ ظاہر ہے کہ سویلیزیشن جسکو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے اس کا پرچھاوان اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جسکو مدرسے[1] مین لیجانے کی اجازت نہ تھی اس کو روز بروز زیادہ تر مدرسے ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعرا کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہین جیسے شعرا انکے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہین کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خوان کی آواز اثر کرتی ہے غرضکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اور ایسی علامتین موجود ہین جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہونیوالا ہے نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتے معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت مین دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین مین عبرانی بائبل شایع کرنی۔ اسی لیے مقدمہ مین مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتین جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھین وہ اب دیباچہ مین بیان کی گئین لیکن اگر غور کیجیے تو ان مین سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار سرے سے

---

[1] یہ اشارہ ہے اس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر را بہ مدرسہ مبر" ۱۲

شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہین ہوتی۔

"درآنچہ ما درکار داریم اکثری درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابۂ آباد نما کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت ونادانی پر موقوف رکھی ہی کہ دن رات یہان کے گورکھ دھندون مین انکے رہین دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھین اور جس کوشش وجانفشانی کے ساتھ کہ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے مین سرگرم رہتی ہی اسی کوشش وجانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور ہوا در ہوا عمارتین چنتے رہین یہانتک کہ فنا ہو جائین۔

درکارخانۂ کہ بنایش بہ غفلت است	ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است
تَرُوحُ وَنَغْدُو لِحَاجَاتِنَا	وَحَاجَةُ مَنْ عَاشَ لَا تَنْقَضِي
وَيَسْلُبُهُ الْمَوْتُ اَثْوَابَهُ	وَيَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهِي
تَمُوتُ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ	وَتَبْقَى لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِي"

لہ ترجمہ۔ ہم اپنے کامون مین صبح وشام سرگرم ہین، اور جو شخص زندہ ہی اس کا کام ختم نہین ہو سکتا۔ موت ہی اسکے کپڑے اترواے گی اور موت ہی اسکی خواہشون کا خاتمہ کرے گی۔ انسان کی خواہشین اسکے ساتھ ہی مرینگی جبتک انسان زندہ ہی کوئی نہ کوئی خواہش اسکے ساتھ لگی ہوئی ہی۔ ۱۲

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے ‏ ‏ کھینچ کے یارون سے یہ کہا
دیکھ لو ان مین جتنے ہین خط ‏ ‏ کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے ‏ ‏ دے یونہین چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط تھے بڑے ‏ ‏ اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہان پیشِ نظر ‏ ‏ خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر ‏ ‏ تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہے یارو بات کہ تھی ‏ ‏ قوم مین باقی جان ذرا
قوم مین جیسا حال ہے اب ‏ ‏ آدمیون کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبون مین ‏ ‏ اخطل و اعشیٰ کے ہمتا
منشیون مین ایسے تھے بہت ‏ ‏ جن پہ کہ نازان تھی انشا
شعر مین تھے استاد اکثر ‏ ‏ سحر بیان اور نکتہ سرا

لے گئی ان کو آخر کار ۔ بحر فنا کی فوج بہا
اہل ہنر کا نام و نشان ۔ قوم مین جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمر بنے ۔ صاحب دیوان نام خدا
اب جو ہوا استاد گنو ۔ یا ہمین سمجھو تم یکتا
ہم ہین وہی ناچیز مگر ۔ کَتَبُوا نا کوتَتْ اُکْلُبوا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دلفریب نہو تو تو غم نہین ۔ پر تجھپہ حیف ہے جو نہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ۔ ہان سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات مین ۔ تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
حسن اپنا گر دکھا نہین سکتا جہان کو ۔ آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز ۔ دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری ۔ قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجو نماز تو
اہل نظر کی آنکھ مین رہنا ہے گر عزیز ۔ جو بے بصر ہین اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
ناک اپنی دوا سے تری گر چڑھائین لوگ ۔ معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
جب چاپ اپنی سچ سے کئی چاولون مین گھر ۔ اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
جو نابلد ہین اُن کو بتا چھوڑ نیکی راہ ۔ گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو
نابلد ناواقف راہ ۱۲
عزت کا بھید ملک کی خدمت مین ہے چھپا ۔ محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا ۔ اب راہ سے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دنیا تو نے نکل ۔ بیڑون کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہے سچ کی قدر پہ بتقدیر یون بعد ۔ اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو

جو قدر داں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ   حالی کو تجھ پہ ناز ہو گر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عُذر

ہو لی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف   طبع رنگین تھی سے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی، جو عشق کا کرتے تھے بیان   جو غزل لکھتے تھے، ہوتی تھی سراسر حالی
اب نہ کہ الفت ہی نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ   سر ہی سودا سے تہی عشق سے دل ہی خالی
گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر   نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف   گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں سے بیان   لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر   کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح   وہ ہوا جس سے ہو باغ اپنا ہوا ہی خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل   "قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی"

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں   جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
کیجیے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ   اس میں اپنا پسینا اور لہو کر دیجیے
دیجیے معنے کے نظم و نثر میں دریا بہا   اور سخن کی داد ہر پیر و جوان سے لیجیے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں   شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا   ہے وجود اے بے تبدل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس مپرس اور قدر و قیمت تیری ہیچ
ہیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم

دے کے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا
امتحان کے وقت کھلجاتا ہے سب تیرا بھرم

سنکر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا لے محترم

مجھ میں اور تجھ میں مگر کرسکتے ہیں جو امتیاز
ہیں میسر ایسے اس بازار ناپرسان میں کم

تیرے سے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں
تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑ رہتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیرزادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیرزادہ کو
تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں
لازمی ہیں۔ وہ اسمیں بھی سب تھیں

گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
اس پہ تھا خود پسند اور خود بین

کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ
علم تیر و کمان میں اپنے تئیں

واہ واہ سنتے سنتے یاروں کی
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین

الغرض ایک روز صحرا میں
جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قرین

مشق تیر افگنی میں تھا مصروف
کر رہے تھے خوشامدی تحسین

آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشین

تیر جتنے کمان سے چھوٹے
پائے سب بے اصول و بے آئین

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
تیر آماجگہ کے کوئی قرین

ایک جاتا تھا چھوٹ کے سوئے شمال
ایک جاتا تھا کٹ کے سوئے یمین

کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی
رکھ کے بالائے طاق سب تمکین

خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا
لوگ کرتے رہے چنان و چنین

ناوک انداز بولا چلا کر
کوئی تجکو جنون ہے اے مسکین

یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے
یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان حزین

عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا
جبکہ جائے گریز ہو نہ کہین

زد سے اِن بے پناہ تیرون کی
کہین جاندار کو امان نہین

مجھاو ہر پھر کے شش جہت مین حضور
امن کی اک جگہ ملی ہے یہین

پولٹیکل اسپیچین

اے بزم سفیرانِ دُوَل کے سخن آرا
ہر خورد و کلان تیری فصاحت پہ فدا ہے

یہ سچ ہے کہ جادو ہے بیان مین ترے لیکن
کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے

ظاہر ہے نہ غصہ مین بیان سے تری رنجش
نے لطف مین کچھ طرز بیان اس سے جدا ہے

ہے دلمین نہان ایک شکایات کا طومار
اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے

جو صلح کی باتین ہین وہ ہین شہد سے شیرین
اور جنگ مین کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے

گر سوچیے تو سیکڑون پہلو ہین مفر کے
اور سنیے تو تیورون سے ہر قول بندھا ہے

دل کی تہ ہوتی نہین معلوم کوئی بات
گونگا نہین گویا نہین کیا جانیے کیا ہے

کھلتا نہین کچھ اسکے سوا تیرے بیان سے
اک منہ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے

تجھے لب پہ اظہار پہ اب آکے کھلا یہ
انسان کو اخفا کے لیے نطق ملا ہے

بدی کرکے نیکنامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالان تھی بہت جسکی رعیت

جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات مین جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے از راہ شرارت

ہین پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمین کیسا
کرتے ہین ہماری وہ ستائش کہ مذمت

تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بآواز
جبکو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت

گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہوتا کہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری آواز خوش آیند دیا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ اتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہے اترانے سے نفرت اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں[۱] بعض کے نزدیک توحید اسکی حد تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک مردود قول جو ہیں قائل اسکے ان پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس رحمت کو عام جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہو وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شرع سیدی سب امین ہیں بس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اسے وہ خام ہے
امینی کا مستحق ہے خاصکر اپنا گروہ اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہے لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کا مشکل کام ہے
مذہب منصوص ہے لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رای پر سید احمد خان کو کافر جاننا اسلام ہے

[۱] اقوال مختلف ہیں سب جو قول ان میں ہیں اسکو زیب منقول کہتے ہیں ۱۲

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج۔ قرض لے کے اک دیندار چلا بہ نیت حج گھر سے سوئے بیت اللہ

کہا یہ اس سے اک آزاد نے کہ اے حضرت — کیا ہے آپ کو شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لیکے چلے ہین حضور سوئے حجاز — وطن مین چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزندون سے خاطر جمع — نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سُنا یہ اور بہت ترش ہو کے فرمایا — کہ روکتا ہے مسلمان کو جو اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنون کو دیتا ہے — نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانون کی — پہونچتے جو کہ ہین طے کر کے بحر و بر کی راہ
جنھین فراغت و تنگی مین ہے اُسی سے امید — جنھین سلامت و آفت مین ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا کہ نا خواندہ میہمانون کو — امید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ
ذلیل ہوتے ہین جو بن بلائے جاتے ہین — طفیلیون کی نہین دعوتون مین عزت و جاہ
یہ سُن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر کہ کہین — ہو مدعی نہ تجسس مین یان کوئی ہمراہ
بُلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالون سے تو نہین آگاہ
قدم پہونچتے جہانتک ہین پختہ کارون کے — جوان خام کی وانتک نہین پہونچتی نگاہ
خدا کے حکم ہین مبنی تمام حکمت پر — فتوح جنمین ہو دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قربِ اِلٰہ
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہین تمام — نہ جنمین چاہیے محنت نہ کوشش جانکاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے ورنہ — ہزارون پھرتے ہین حجّاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سننے کی باتین نہین ہین برخوردار — دگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا حاصل ہو آزادی جنھین — قدر دان اُن سے بہت بڑھکر ہین آزادی کے ہم
ہم کہ غیرون کے سدا محکوم رہتے آئے ہین — قدر آزادی کی جتنی ہمکو ہو اتنی ہے کم

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت مین سوا — بینوا کو ہے زیادہ قدر دینار و درم

تعرف الاشیاء بالاضداد ہے قول حکیم — دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم

سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا — ہے[1] سقر موری کے کیڑے کے لیے باغ ارم

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہین آزاد ہوجاتا ہے جب لیتا ہے سانس — یان غلام آکر کرامت ہے یہ انگلستان کی

اسکی سرحد مین غلامان نے جو ہین رکھا قدم — اور کٹکر پانوٗن سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی

قلب ماہیت مین انگلستان ہے گر کیمیا — کم نہین کچھ قلب ماہیت مین ہندستان بھی

آن کر آزاد یان آزاد رہ سکتا نہین — وہ رہے ہوکر غلام۔ اسکی ہوا جنکو لگی

سیّد احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سیّد احمد خان سے اک منکر نے پوچھا کہ آپ — کس لیے سیّد سے صاف ای حضرت الا نہین

کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھیراتے ہین آپ — ثابت اسلام اسکا نزدیک آپکے گویا نہین

آپ بھی (نام خدا) ہین تارک صوم و صلوٰۃ — اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہین

و نبوت پر سُنے ہین ہم نے ایراد آپکے — اور الوہیت بھی دل سے جیسے حضرت کا نہین

چشم بد دور آپکا بھی جب کہ ہے مشرب وسیع — پھر یہ سیّد پر تبرا آپ کو زیبا نہین

سُن کے فرمایا اگر ہے پوچھتے انصاف سے — بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہین

ہیچ کچھ اس کا نہین مجکو کہ وہ ایسا ہے کیون — بلکہ ساری کلفت ہے اسکی کہ مین ویسا نہین

---

[1] یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری مین آرام ملتا ہے اور وہان سے کہین جانا نہین چاہتا اسی طرح جو قومین ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہین وہ غلامی ہی مین خوش رہتی ہین۔

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ مین تھی حالت عجب طاری — جو تھا سو چشم پُرنم۔ اپنا تھا یا پرایا
"دنیا سے اُٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق" — یہ کہکے شیخ کا دل بیساختہ بھر آیا
ہمنے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری — یہ کہکے ہم بھی روئے اور اُسکو بھی رُلایا

نوکرون پر سختگیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکرون پر سختگیر — درگذر تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہین
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُنکی معاف — کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئین
حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو چھوٹے مُنھ سے اُسکے آفرین
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار — تھتھنے پھولے۔ مُنھ چڑھا۔ ماتھے پہ بل ابرو پہ چین
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لیے کوئی فتوح — آکے ہوجاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک شرائط نامہ نوکر کے پاس — فرض جسمین نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمین — تاکہ یہ درخواست۔ دیکھین واجبی ہے یا نہین
وان سوا تنخواہ کے تھا جسکا آقا ذمہ دار — تھین گرین جتنی وہ ساری نوکرونکے ذمہ تھین
دیکھ کر کاغذ کو ہوجاتے تھے نوکر لاجواب — تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مار آستین
ایک دن آقا تھا اک مُنھ زور گھوڑے پر سوار — تھک گئے جب زور کرتے کرتے دست نازنین
دفعۃً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار — اور گرا اسوار صدر زین سے بالا نشین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پانوٴن سے لیکن رکاب — کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معین
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بیوفا — دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعین

دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ دیا ۔ دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے ۔ اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم ۔ زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر دستنا سے بعضوں نے دی ہو ۔ نہیں جو رہتے میں اپنی مذہب
وہ نیشن کہتے ہیں اُس ہیئت کو بھی ۔ کہ جس میں وحدتیں مفقود ہوں سب
زبان اس کی نہ ہو مفہوم اُس کو ۔ ہوں آدم تک جدا سب کے جد و اب
جو واحد لاشریک اس کا خدا ہو ۔ تو لاکھوں اُس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچیلا اک غلام ۔ اُسکے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اسکو کی
عرض کی ایک اک روا ہے جس میں مالک غیر ۔ اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے رہی
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال ۔ عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہلِ معرفت ۔ کوئی چیز اس کی نہیں ہے سب امانت غیر کی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی سے کہا از رہِ انصاف ۔ وہ کرتے ہیں پسند اہل زبان اسکے سخن کو
جتنے اہل زبان جنکو کہ دعویٰ تھا سخن کا ۔ بولے کہ نہیں جانتے ہم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زبان سے ۔ لو چھوڑ گئی شہر زبان اُس کے وطن کو
معلوم ہے حالی کا جو ہے مولد و منشا ۔ اُردو سے نہ تھا واسطہ کچھ حضرت [illegible] کو

اُردو کے وہ ہیں جو دلّی کے ہیں روڑے — پنجاب کو مس اس سے، نہ پورب نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے — کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو
حالی کی زبان گر کشش نہ سر لین ہو — خالص نہ ہو تو سمجھیے کیا لے کے لین کو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ — پہونچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو
مانا کہ ہے بیساختہ پن اُسکے بیان میں — کیا پھونکیے اس ساختہ بیساختہ پن کو
یہ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی — حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا — کیوں صاحب جو عزت اسی اُردو سے ہے فن کو
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے — کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے — پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم عرب — کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی — گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہے جاری لیکن — جو کہ اندھے ہیں سبب سے کہ نہیں کچھ انکو خبر
لوگ بیٹی کے لیے ڈھونڈتے ہیں جب پیوند — سب سے اول انھیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر
ایسے گھر بیاہیے بیٹی کو جو ہو آسودہ — اور سمدھ ہے جو ذات میں ہو افضل تر
جانے پہچانے ہوں سمدھیانہ کے سب زن و مرد — اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھرانے آباد — دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہم دیگر
جیتے جی مر گئی بس ان کی طرف سے گویا — جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر
چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو — پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہے بر
بد مزاجی ہو، جہالت ہو کہ ہو بد چلنی — کچھ بُرائی نہیں، ذی ثروت ہو دانا ہو اگر

وہ بھی ناشدنی دیت ہے جس کے کارن
بکریاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر

جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں
گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر

ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی
زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر

اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام
جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خان کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی

وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی

اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی

روزی کی خاطر اس نے کیے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری

راہ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضر پے بخت نے کی آکے رہبری

جھک کر کہا یہ کان میں اس کے کہ آجکل
سنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیف احمدی

جا اور لفظ لفظ کو اس کے چھیڑ کر
تردید اسکی چھاپ دے جو ہو بری بھلی

پھر دیکھنا کہ راست و چپ و گرد و پیش سے
لگتی ہے کیسی آکے زر و سیم کی جھڑی

دنیا طلب کو چاہیے اک فریب ہو
دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست
دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا

جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے
ہوتی نہیں قبول تری ایک گر دعا

تجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے بت پرست
جسکا یقین ہے ترے یقین سے کہیں سوا

وہ مانگتا بتوں سے مرادیں ہے عمر بھر
گو حاجت اس کی ان سے ہوئی ہو نہ اک روا

آتا نہیں یقین میں اسکے کبھی قصور — امید اسکی روز فزون ہے اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہو — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندۂ خدا

اِستفادہ

لیجیے بھیک دوڑ کر گر ہو گداگری کا یہ — جس سے ملے جہان سے ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ ہو جیو سب سے مستفید — زک ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین

قول ایک حکیم کا ہے کہ گر غور کیجیے — ہے حق مین سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اول تو سوجھتا ہی نہین عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہین لاتا زبان پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہین آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہین کوئی بدسگال — رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اُس سے مستتر
گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ وان نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہین مستفید — عیب انکے دوست کیون نہ جتائینگے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہین سن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنون کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یان — موقوف عبرت[1] انکی نہ دشمن نہ دوست پر

[1] عبرت = اعتبار نصیحت حاصل کرنا۔ ۱۲

سخن سازی

ہے مرد سخن ساز بھی دنیا مین عجب چیز — پاؤ گے کسی فن مین کہین بند نہ اُس کو
موجود سخنگو ہون جہان وان ہین طبیب آپ — اور جاتے ہین بن آپ طبیبون مین سخنگو
دونون مین سے کوئی نہ ہو تو آپ ہین سب کچھ — پر ہیچ ہین جس وقت کہ موجود ہون دو تو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کرے خوار و زبون — اپنے دعوون پہ بیان کر کے دلیل و برہان
کہا اے نفس نہین تجھ مین مآل اندیشی — درد ہین تیرے۔ اسی واسطے سب بے درمان
ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی — جس کا آتا ہے نظر پیشتر از صبح زیان
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیان سے پرہیز — تیرے نزدیک ہے دردا اور دوا سب یکسان
نہین غفلت مین تجھے دین نہ دنیا کی خبر — یہ بھی ہے نیند کوئی۔ موت کا ہے جس پہ گمان
نہ جوانی مین تجھے صبر نہ پیری مین شکیب — کبھی ہوتا نہین کم تیری خودی کا طوفان
کہین جا سے نہ بھٹک منزلِ مقصود سے تو — دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہان
ہاتھ دھو لذت فانی سے۔ نہین گر منظور — عیش باقی و حیاتِ ابدی سے حرمان
نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضر طریق — وعظ پر تیرے ہے دنیا کہ فدا کیجیے جان
پر نہین حکم ترا کوئی عمل کے قابل — گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیان
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید — کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جز نادان
ہے یہ ایک ایک مری لذت فانی وہ بلا — سو حیاتین ابدی تیری ہین جس پر قربان
ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعام — ایک سعولے کرتا ہے پس از سال روان
کیونکہ امید پہ اک مائدۂ نعمت کی — سال بھر صبر کرے گرسنگی مین انسان

عقل نے سن کے کہا خوف ہے مجھے اے نفس | خونریزہ تیرا مجھے دیکھیے پہونچائے کہان
حق کے پیرایہ مین ہوتا نہین باطل سرسبز | کیجیے لاکھ بیان اسپہ دلیل و برہان
جان بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر | زہر دانستہ کرے نوش نہین یہ امکان
نہ کہین بھوک مین کھا بیٹھیو یہ لقمہ النفس | اسکے کھاتے ہی نہین جان کی خیر اے نادان

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط مین نے عادت سے کہا | گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہے مجھسے الگ | مین ہی بنجاتی ہون نادان رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت مین دخل دینا

سنتے ہین یہ اک مدبر کی ہے رائے | "چاہیے گر رونق علم زبان
شاعرون کو سلطنت کا کیجیے رکن | جنپہ اُسکی سب کانین ہین عیان"
رائے صائب ہے بظاہر اور نہین | گو کیا اس کا نہین کچھ امتحان
شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ | ہے بہت کم برخلاف اسکے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب | شاعرون کے ہاتھ ہو اسکی عنان
اور جو وہ شاعر ہین ہندوستان کے | شعر و انشا کو بھی ہے خوف زیان
ایک پر اُنمین سے چل سکتا نہین | دوسرے کا جادوئے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی | پھر ترقی شعر و انشا کی کہان

ایک کسی کی خوبیان سُن کر اتنے خوش نہین ہوتے جتنے کہ اسکے عیب سُنکر

اپنے عیبون کے ہین ہم جتنے کہ ممنون حالی | اسقدر خوبیون کے اپنے نہین شکرگذار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہین گو کہ کرتے ہین تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج ان کو کمال گر نصیبون سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی خوش تو پڑتی ہے بنانی انھین صورت ناچار
دل مین ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہین وہ زنہار
حمد الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا نفس مین اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگون کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اُسکی جب یہی دیکھی گئی روش پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لیے کی ہے یہ اختیار چھُٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانون سے ملتی تھی روز بھیک آتا تھا مانگنے مین بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اُس قوم پر مدار منت سے عجز سے کبھی ملتا نہین ٹکا
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ
آیا جواب سُن کے یہ اُس کا بہت پسند کی آفرین اور اُس سے مخاطب نے یون کہا
بیٹھو ہین جو کہ ملک مین تعلیم یافتہ حق مین ترے مفید ہین یہ اُن سے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیون کے حق مین ہین بخیل اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیون مین ہین تعلیم یافتہ دل بھائیون پہ بھی نہین ان کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیون سے نہین نفور جتنے کہ یہ عزیز عزیزون سے ہین خفا
اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہین یہ شایستگی کا زہر ہے جب سے انھین چڑھا

اسراف

اک مُسرف نے یہ ممسک سے کہا کب تک اے نادان یہ حب مال و زر

تو جو یون رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ ہے سدا دنیا ہی مین رہنا مگر؟
ہنسکے ممسک نے کہا ای سادہ لوح زر لٹانا رائگان اور اس قدر؟
آج ہی گویا نصیب دشمنان آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا جس نے بنا یا نیک تجھی کرکے نیکنام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا پھر دیکھتے کہ کرتا ہو تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجکو خوف خدا کا ہو اسقدر جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

غرور نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نکونامی گمان بد کبھی اس کی طرف نہین جاتا
جو اسکے عیب قسم سے بیان کرے کوئی خود اسکو عیب کا اپنے یقین نہین آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مشکل امتحان

دو ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا دوسرا پیدل مگر پہلا سوار راہ نورد
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونو رواں کیونکہ بیماری کی رخصت تھے دونون خواستگار
راہ مین دونون کے باہم ہوگئی کچھ سر گذشت کوڑا مین کالے کی اک مکا دیا گورے نے مار
صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت سنگین کی آکے گھوڑے سے لیا سائیس نے اسکو اتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہنچا کے دونو پیش و پس صاحب اپنے پاؤن اور مضروب ڈولی مین سوار
ڈاکٹر لے آئے دونو کی سنی جب سرگذشت تہ کو جا پہنچا سمجھ کی سن کے قصہ ایکبار

دی سند گورے کو لکھ کر تھی جسمیں تصدیق فرق
اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار

بیٹھے اک کالا جس گورے کے تکے سے مرے
کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار

اور کہا کالے سے تم کو مل نہیں سکتی سند
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر گیا ہے
آسکے بابا اسکی بیماری کا کیونکر اعتبار

خودستائی

اہل ہنر وہ کون ہے جو خودستا نہیں
پر خودستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا

جز پیر خرد سے مبرا ہیں سادہ لوح
کرتے ہیں خوبیاں وہ بیان اپنی برملا

جو ان سے تیز ہوش ہیں سو طرح سے وہ
پردوں میں کہتے ہیں اسی مضمون کو ادا

کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج
کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا

کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہوں میں متصل
سائل کی طلب میں ہنس دیا مال جب دکھا

پردہ میں زہد کے چھپاتا ہے تجمل یہ
اور یہ کہ سب کو بیوقوف جتاتا ہے وہ سمجھا

کچھ اس لیے کہ ہم بھی انہیں میں ہیں ہر طرح
اس قوم کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا

کچھ اس لیے کہ اپنا ہوا انصاف آشکار
بیٹھے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جابجا

کہتا ہے ایک لاکھ شرانے برا کوئی
ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا

کہتا ہے ایک گر ہے خوشامد کا اور ہی
پڑ جاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم برا

دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب ہیچ
اور منہ سے دیر کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں
لیتے کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا

کہتا ہے اس پہ کوئی کہ حسن ظن ہے
اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا

قانع ہے وہ انہیں یہ ہے کہ وصف جو بیان
اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید عمرو ہے شہد سادہ لوح
گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا برا

کہتا ہی عمرو سے زید بھی کتنا ہی عیب بین — بد ہو کہ نیک اُسکی زبان سے نہین بچا
یہ اُسکا اور وہ اسکا بیان کر کے کوئی عیب — ہر اک ہی اپنی اپنی بڑائی نکالتا
غیبت - امید ہی کہ نہوتی جہان مین — ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالی جو ہر پہ کھول رہے ہین جہان کے — شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردون مین کوئی چھپائے عیب — اپنی نظر سے رہ نہین سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم — آزار مین خودی کے ہی بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دون ہمارے بس مین ہی — گر کبھی حملہ پہ اُسکے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیان تھین نفس کی — جن کو نادانی سے حملے اُسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیے سب کس بل نے ہتھیار ڈال — زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم مین افلاس ہو اُس مین بخل اتنا برا نہین جتنا اسراف

حالی سے کہا جسنے کہ ہی اسکا سبب کیا — جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن نہ جانا آپکے سب اگلے سخنور — جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلون کو ملامت
اسراف تو مذموم ہی پر بخل سے کمتر — ہی جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا رکے کہ نہ پوچھو سبب اسکا — یارون کے لیے ہی یہ بیان موجب رقت
کرتے تھے بخیلون کو ملامت سلف اسوقت — جب قوم مین افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر — پھر اسمین نہین بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہی نہ ثروت ہی نہ اقبال — گھر گھر پہ ہی چھایا ہوا افلاس و فلاکت
ترغیب سخاوت کی ہی اس قوم کو ایسی — پرواز کی ہو جیسے پر ٹوٹون کو ہدایت

رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت — برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اُس کا چلا
بولے آج اُس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر — عاملان شہر مدعو اُسکے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیئے — پھر کوئی دیکھے سخاوت اُسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی بنیں — انمیں صرف اُسکی رقم ہے سب کے چندہ سے سوا
پالکی یا دگنٹ ہی جو سواری اُسکے پاس — اہلکاروں کے لیے ہے وقف بے چون وچرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس — اُسکی ہمت کے ہیں سب مداح بے رو و ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام — جوڑ کر ہاتھ اُن سے حالی نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیان — سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو آپ نے تمثال
کہا فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور — یہ مان ہے آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[1] — نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

برکت اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنہیں ملاپ — دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ

[1] یعنی کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲

نہ انھیں حاجت اعوان، نہ تلاش انصار — نہ اُنھیں خوف بداندیش، نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی — اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لیے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لیے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر — کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر نکمے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اُسکو جب دیکھا ہے، دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہی

حالی نے جو رہنے کے لیے شہر میں اک گھر — جا اپنے محلہ سے کہیں دور بسایا
جب اہلِ محلہ سے جدا ہو کے وہ رخصت — دل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھر آیا
ہمسایۂ و احباب لگے کرنے سب افسوس — اک دوست شکایت کے سخن لب پہ یہ لایا
بلّی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر — اتنی بھی محبت تمھیں گھر سے نہیں آیا
حالی نے کہا "اُنس ہے چیز اور، وفا اور — بلّی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
اُس مہر و وفا کے نہیں بلّی پہ پڑی چھینٹ — کتّے نے ہے جس کا کہ سبق ہمکو پڑھایا
ہم عشق میں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکان کی — گھر بھول گئے ہم تو نہیں تمکو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر — مشرق میں بسایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہلِ غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفرِ صادق سے عرض کی — "محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر

کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ | ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک | لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
اور جن سے ہو امید نصیحت وہ بالیقین | صحبت میں بیٹھنے سے کریں گے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدام مامون کے بہت گستاخ تھے | ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا
"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت | پیش خدمت اسکے بداخلاق ہوتے ہیں سدا
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم | ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خلق آقا کا برا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو | اُس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا"

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر | ہوگیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا حاضر | کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے | خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ | تو نے دی قصداً اسکی جان بچا
ابن حمدون نے کی یہ دانائی | کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے | ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جائے کنجشک ابن حمدون پر | تیر کا اپنے امتحان کرتا
ابن حمدون کی جان گر جاتی | دل نہ ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے | فرعون کا تھا مصر ہی سے تخت بپا

وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت | تھا دلمین خدائی کا خیال اسکے سمایا
مین بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم | اک بندۂ بیقدر کو بخشون گا خدایا"
کہتے ہین خصیب ایک غلام حبشی تھا | جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے | نا اہل کے پنجہ مین اہالی کو پھنسایا
باڑی گئی بہ کے ایک برس نیل کی رو مین | یہ حادثہ آ اس کو کسانون نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اون | ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا
ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی | محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا | اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا
جوکھون مین نہ یون ڈالتا مخلوق کو اپنی | اک سفلۂ ناکس کی بنا اس کو رعایا

رشک

ظاہر مردون کی طینت مین نہین رشک اسقدر | ہے طبیعت مین وہ جتنا عورتون کی جاگزین
ایک شہزادی کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی | تخت شاہی پہ ہوئی بعد از پدر مسند نشین
سلطنت مین اُسکی تھا مردون کو کلی اختیار | عورتین اصلا دخیل اُسکی حکومت مین نہ تھین
مرد ہی تھے اسکے محرم مرد ہی اُسکے مشیر | تھا نہ عورت کا پتا دربار مین اسکے کہین
تخلیہ مین ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم | ہنسکے فرمایا کہ اے دولت کے ارکان رکین
مرد ہونے کے سبب تم سے نہین مانوس مین | بلکہ ہے اس لیے تم سے کہ تم عورت نہین
بات کی حسن بیان سے اُس نے دی صحی رسیل | تاکہ کوئی سوء ظن اسپر نہ کرتے پائے کہین
ورنہ یون کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے | اس لیے نفرت کہ ہے مردونکی صورت دلنشین

قانون

کہتے ہین ہر فرد انسان پہ ہے فرض | ماننا قانون کا بعد از خدا

پر جو سچ پوچھو نہین قانون مین — جان کچھ مکڑی کے جالے سی سوا
اُسمین پھنس جاتے ہین جو کمزور ہین — اور ہلا سکتے نہین کچھ دست و پا
پر اُسے دیتے ہین توڑ اک آن مین — جو سکت رکھتے ہین ہاتھون مین ذرا
حق مین کمزورون کے ہے قانون وہ — اور نظر مین زورمندون کی ہے لا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھارہ سال کا ہو — تخت پدر پہ اُسکو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ اُن مقننون نے — عالم مین آجکل جو مانے ہوے ہین دانا
لیکن کرین نہ اسکی قبل از بلوغ شادی — کہتے ہین وہ عبث ہے قانون یہ بنانا
نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش — ہے گنگڈم سے آسان میڈم کو بس مین لانا

حرص

اثنائے وعظ مین ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اسکی اِس سے کبھی نہین ہے — ہے جسقدر فراہم پاس اسکے مال دنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہین اگر پاس امیرون کے خردمند — وہ جانتے ہین جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہین ہین — ملتے عقلا سے نہین جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہین جتنے کہ اطبا — بیمار کو کچھ اس سے سوا ان کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بیبیو ہنستے ہو کیا معصومون پہ تم
اخلاق مین کچھ اُن کے اگر آ گیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوے
ہو جب تلک کہ پکڑے ہوے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہین منعم کے گرد و پیش
گر تمکو ہو نصیب تو دنیا کو دو اجاڑ

سچ کہان ہے

دیکھنے ہون تمھین گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانون مین کتبخانون کے
سچ کو تحریرون مین پاؤ گے نہ تقریرون مین
سچ کہین ہے تو وہ سینون مین ہے انسانون کے

اپنا الزام دوسرون پر تھوپنا

کھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزارون کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسرون کا بھی یہی شیوہ ہے وقت باز پرس
اپنے ماتحتون کے سر تھپتے ہین سب اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہین آ آ کے جو لوگ
تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم
وہ گویا تم کو کرتے ہین ملامت
کہ جو ہم نے بیان کین خصلتین نیک
نہین اُنمین سے تم مین ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
وان پانو جمانے کے لیے تفرقہ ڈالو

اور عقل خلاف اُسکے تھی مشورہ دیتی
یہ حرف سُبک بھول کے مُنھ سے نہ نکالو
پیر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر
مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہین جو کام وہ کرتے رہو لیکن
جو بات سُبک ہو اُسے منھ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر
مردون کی حکومت مین ہے ملکون کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہان راج
وان ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہین جہان مرد جہاندار
قبضہ مین ہے وان عورتون کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہان افسر شاہی
سمجھو کہ ہے اس ملک مین مردون کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو
تو سمجھو کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار
جنھون نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا
بڑائی دیکھ نہین سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے
اُس نے کی تاخیر اس نے جستہ اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہین
بلکہ ہین یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے مبرم

اک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہین
آن نکلا با نوا اک مانگتا کھاتا ادھر
دیکھ مورت برہمن کی گیا بن جسم دین

جی میں آیا چھیڑ کر تائل برہمن کو کرے ۔ تا کہ پوچھے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگین
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا ۔ با نوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بین
مورتی کچھ تجھکو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ ۔ ناحق اتنی التجائیں اُسکے آگے تو نے کیں
ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام ۔ دے نہ دے وہ، اس سے کچھ مطلب ہمیں لینا نہیں
ہم نہیں دیتے ڈھٹی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح ۔ ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو ۔ ذرا وعظ اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تمکو اندازہ ہرگز ۔ جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت ۔ تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جبتک ۔ کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر کھیل بیٹھے چوسر و گنجفہ پر ۔ تو فرصت ملے شاید اب تمکو مر کے
پڑا ہیچ بازی کا لپکا تو جانو ۔ کہ بس ٹھن گئے عزم جنگ تتر کے
پڑا جو بھوت عشق و جوانی کا سر پر ۔ تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو ۔ کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی ۔ رہیں پاؤں کے ہوش جس میں نہ سر کے
جو کھانا تو بے حد جو پینا تو اٹ گٹ ۔ غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال ۔ کہ ایک جز کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گرچہ طبیعی ہے سب کو پڑتا ہے ۔ تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول ۔ جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار

وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائے گی خطا ہم پر
کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا

ہوتا ہے اُس سے کار نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار بار بیان اسکو برملا

پر تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا

پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد
یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا

بھولے نہ اپنی یاد یہ انسان کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہو و خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف
جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر

ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
سخی ہو یا ہو کہ ممسک غریب ہو کہ امیر

فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند
کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر

ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اُسکا
درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر

کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت
کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر

پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر

یہی اللّے تللّے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہوتا ہے ایک روز فقیر

سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے
دکھائے دیکھیے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے
جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ وہ گھڑیوں کا وقت رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ مورد آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار دو ہیں اُن میں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی شک نہیں ہے جس کے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبان خلق کی زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوان ناطق کے لیے ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب رہتے ہیں دوران گردوں سے سدا
کیسا ان آلام سے رہتا نچنت اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا جو شیفتہ جب پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بیقدر شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی ہیچ جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا نفس سرکش کے نگر ہاتھ میں ہے اپنی نہ لگام
کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر لے نہ اس زہر ہلاہل کا کبھی بھول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجام برا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ برا ہوتا ہے کیسا انجام
برے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن برے انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزون پہ تھا یون نکتہ چین
پاس ان لوگون کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

چاہتے ہین نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
گو کہ ان کے نفع مین ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ را جس سے کبھی چاکو نہین
اسکا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خوردنی چیزین جہان سے لینی پڑتی ہین انھین
ان کو لندن سے منگائین بس چلے انکا اگر

الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہین دین و ایمان اپنا۔ قصہ مختصر

سن کے حالی نے کہا "ہو حصر انگریزون پہ کیا
ایک سے ہو ایک قوم اس عیب مین آلودہ تر

ہین محبت مین سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر

مکھیان جیتی نگلجاتے ہین پاس قوم مین
اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر

ہان بری اس عیب سے دیکھی اس دنیا مین ہو
چشم بد دور است قوم اسے جہان پر

اور قومون سے انھین لوگون کو ہے یہ امتیاز
حملہ جب کرتے ہین یہ کرتے ہین اپنی قوم پر

ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یان
جسقدر ہے ان سے اپنون اور بیگانون کو خطر

غزلیات قدیم وجدید

چونکہ بہت سی ردیفین قدیم غزلیات مین اور بہت سی جدید غزلیات مین نہین تھین۔ اسلیے ہر ایک ردیف مین دو نون قسم کی غزلین ملا جلا کر لکھدی گئی ہین۔ اور تمیز کے لیے ہر قدیم غزل کے شروع مین حاشیہ پر حرف ق لکھدیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکین کہ قدیم وجدید غزل مین کیا فرق ہے

قبضہ ہو دلون پر کیا اور اس سے سوا تیرا — اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا — بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم — کچھ کہہ نہ سکا جس پر یان بھید کھلا تیرا

چھپتا نہین نظرون مین یان خلعت سلطانی — کملی مین مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

قطعہ

۱ عظمت تری مانے بن کچھ بن نہین آتی یان — ہین خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

۲ تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو — جو رنج و مصیبت مین کرتے ہین گلا تیرا

۳ نشہ مین وہ احسان کے سرشار ہین اور بیخود — جو شکر نہین کرتے نعمت پہ ادا تیرا

۴ سمجھا ہے پرے تجکو ادراک کی سرحد سے — جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا

۵ طاعت مین ادب تیرا عصیان سے ہی گو بڑھ کر — عصیان مین ہے پیچ طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق مین پھیلے گی کبتک نہ مہک تیری — گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا[۱] تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیان حالی ہے سب سے جُدا تیرا

---

[۱] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف الا ان للہ نفحات فی الدھر الا فتعرضوا لہا یعنی خدا کی خوشبوئین زمانہ مین پھیلی ہوئی ہین سو ان کا آگا لو اور ان کو اوپر نہ جانے دو ۱۲

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا — باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفون کو حیرت اور منکرون کو سکتہ — ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
کاوش مین ہے الٰہی وُگدا مین ہے طبیعی — جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہین گو جی پر دل بندھے ہوئے ہین — ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھون یان ٹالتے رہے ہین — لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
بچ کر کے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی — پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم مین جال تیرا
اُن کی نظر مین شوکت جچتی نہین کسی کی — آنکھون مین بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے — دل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا
ہے پر زوال سے دل اُس کا قوی زیادہ — رکھتی ہے آسرا یان جو بے زوال تیرا
ہے پاس دوستون کے تیری یہی نشانی — یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی مین حالی۔ یہ رنگِ آشنائی
سُن سُن کے سر دُھنین گے قال اہل حال تیرا

تہ بر مین دشت جنون کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر مین تکان دیکھی نہ اس نشے مین خمار دیکھا

نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے سدا نامراد جو یان اُنھین بھی امیدوار دیکھا

تجھ جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ افسردہ جس چمن مین
نہ بلبل و گل مین وان تعلق نہ سرو قمری مین پیار دیکھا

سواد محمل کی جستجو مین ہزارون دشت طلب مین دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ مین ایک پر کہین کچھ کھلا بھی شدت سے بھید تیرا

ملا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا

الگ مین تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوے کا ہشون سے یان کی وہی ہین جو تیری ہو رہے ہین
وگر نہ زخمون سے حادثون کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن مین بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل ان کی نظرون مین چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھون مین خار دیکھا

خبر نہین یہ کہ کیا ہے کیسا ہے کون ہے اور تو کہان ہے
پہ اپنے مین اور تجھ مین ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا

سلوک ہین تیرے سب سے یکسان وہ گبر و ترسا ہون یا مسلمان
نہ ان سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
جنھین تھا یان اختیار سب کچھ انھین بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھکو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہو لاکھ کینہ ہشقہ عید کا　　　چھپتا نہین جلال اٹھائے شہید کا
مضمون ہر نقش دل مین لدنیا مزید کا　　　کونین سے بھریگا نہ دامن امید کا
قفل در مراد سب اکبار کھل گئے　　　چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہم نے عالم رحمت کو غور سے　　　ہر شش جہت مین تختہ دل نا امید کا
شرم کرم کی ہے بھی گر پردہ دار یان　　　انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہم نزد یان جذبۂ توفیق درمیان　　　یان امتیاز کیا ہو قریب و بعید کا

ہے آسمان پہ تیرے جگر خوار کا دماغ | خونِ جگر میں نشہ ہے جامِ نبید کا
تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے | یارب یہ روزہ دار ہے مشتاق عید کا
دوزخ سے ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر | لا تقنطوا جواب ہے ہل من مزید کا

حالی کی ہیں اگرچہ شیوا بیانیاں
لیکن نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا ولی الصفات یا بشیر التوریت | فیک دلیل علیٰ انک خیر الوریٰ
تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کیا آبِ حیات | خلق کے سب ادیان تجھ سے مہیا الوریٰ
دل تو ہے روشن ترا تا سر بسر بے نیاز | صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گواہ
قال ترا اور حال بشر و حدت میں چور | اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا
غیب سے بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تھا جب | دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت | جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اُٹھے گھٹا
شان رسالت کی تھی تیری جبین سے عیان | گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا
گلہ بھی سعد کا جب کہ چرایا کرتا تو | گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا
دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں | اُنہوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
راہب و قسیس و حبر رہ گئے دل تھام کر | دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا
خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد | تو نے اُسی کو دیا ارض مقدس بنا
تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب | جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے جو بہت | تو نے کیا دام دام قرض سبھوں کا ادا
تو نے کیا سرِ حق عارف و عامی پہ فاش | ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اکیلا کوئی | ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان مین جما

دیر[1] ہوے بے چراغ اور صلوات یہود
شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا

بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے
ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت[2] فنا

اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون مین گھانس
مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما

غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک مین اہل ہوا

رہ گیا نام سجاح[3] کذب مین ضرب المثل
اسود و ابن کثیر خوار ہوے بر ملا

سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا اگر
حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا

آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوین سے نکال
جسکو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا

بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل مین کچھ
بھیج چکا تیرے ہاتھ ملت بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام رب سموات سے
روز و شب و صبح و شام قدر ہزار ؟ چاہیے

اے عشق تو نے اکثر قومون کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھسے ترسان احرار تجھ سے لرزان
جو زد پہ تیری آیا اسکو گرا کے چھوڑا

رایون کے راج چھینے شاہون کے تاج چھینے
گردن کشون کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعمون کی دولت کیا زاہدون کا تقوے
جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا

جس رہگذر مین بیٹھا تو غول راہ بن کر
صنعان سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیرین
اور قیس عامری کو مجنون بنا کے چھوڑا

---

[1] دیر راہبون کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیون کا کلیسا۔ ہبا غبار یا چیز ۱۲ [2] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہین اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہین ۱۲ [3] سجاح ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب مین ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہین اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جسکی کنیت ابن کثیر ہے یہ دونون مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کیے گئے ۱۲

یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونو ہین دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے انکو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھسے کچھ چپقلش جہان کی
عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہین قبلے ترے ہمیشہ
ہر معرکہ مین تو نے اُن کو دلا[1] کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین روداد تیری دلکش
شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کچھ ہم سے نہ تو کنارا
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یون بے سبب زمانہ پھرتا نہین کسی سے
اے آسمان کچھ اسمین تیرا بھی ہے اشارا

~~[illegible] کی خرابی بھی دیکھا پھرا [illegible]~~

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
اے زاہدو تمھارا اسمین کیا اجارا

دنیا کے خرخشون سے چیخ اُٹھے تھے ہم اول
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

توفیق نے ہمیشہ لی ثبت پر خبر یان
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے
جتنے ہنر تھے اپنے عالم مین آشکارا

افسوس اہل دین بھی مانند اہل دنیا
خود کام و خود نما ہین خود بین ہین اور خود آرا

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقیہو ممنون بہت تمھارا

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چین ہوئے چپ
سب کچھ کہا اُنھون نے پر ہمنے دم نہ مارا

حالی سے کام ہر یان فعلون سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا برا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا
جب دیکھو آنسوؤن سے دامن ہے نم تمھارا

---

[1] دلانا۔ کشتی دلانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بولتے ہین۔ ۱۲

الفت میں دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی
چھوڑے گا دکھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا

عاقل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں واعظ
ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا

دلجو نہیں کوئی یاں جیتا ہے صنم پرستو
دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا

گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم
اپنی نظر میں ہوگا گو وزن کم تمہارا

دشت طلب کے رستے طے ہو گئے کس طرح تم
آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا

دو بینواؤں کو بھی کچھ جس سے کیجے جانشینو
بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمہارا

روشن ہوں یا نہ تارے ہم کو بتائیں گے کیا
دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا

کھولی ہیں تم نے آنکھیں اے چارہ جو ہماری
احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا

ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رہ دیے سوارو
ہے لاکھ لاکھ میں کا ایک ایک قدم تمہارا

رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا ملو گے
گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا

پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم
گم ہے کہیں یہیں یارو باغ ارم تمہارا

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زور قلم تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا
پہونچا ہاں بس اب کوچ کا تم بھی زمانا

خوش ہو کے وطن سے ہو وداع اب کے سفر میں
جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا

دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل
جس دن کہ یہ دو نو ہوں وہ دن نہ دکھانا

دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرمان
چھل بل میں تم اس زال فسوں گر کی نہ آنا

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہد جوانی
تھا آپ اپنا گھر یہیں مگر ہم نے نہ جانا

یاروں کو جہاں دیکھ کے حیرت نہیں ہوتی
اب واقعہ سب اپنا پڑا ہے ہمیں کو سنانا

دنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
وہ دن ہے کہ جب [illegible] جانا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت — فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اک ہے جو تم سے بندھی ہو

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا

یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوی

یہ کہہ کے دعوی بہت بڑا ہے پھر ایسا دعوی نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو

کرے وہ یاد اُس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ

زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضد بے کمالی نہیں ملاپ ان میں حرف گیرا

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ درد اُلفت کی آگ زاہد

پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا اچھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو

سلوک اُس سے کیے جو تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا — آتا ہے دور ہی سے ہم کو نظر گھر اپنا

قید خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم — وحشت رہیگی دل کی کھلا جو ہر اپنا

پیرِ مغان سے ہو کر تب سرخرو ملینگے
فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا

بیگانہ وش ہر گروہ تو ہیں ہمارے ڈھب کا
ایسوں ہی سے ٹھنا ہے یارانہ اکثر اپنا

عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی
کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہے حالی کچھ دل لگتا اپنا

معنے کا تم نے حالی دریا اگر بہایا
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا

اے بانگ طبل شاہی دن ہوگیا جب آخر
خوابِ گران سے تو نے ناحق ہمیں جگایا

تھا ہوش یاد گل کا دورِ خزان میں کس کو
اے عندلیب نالان یہ تو نے گل کھلایا

ویران ہے باغ تس پر پھولی نہیں سماتی
مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سنایا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا

ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جرم بھی سزا سے
احسان اس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا

واعظ کی حجتوں سے قائل تو ہوگئے ہم
کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا

آیا نہ تھا کبھی یان گویا قدم خزان کا
دو دن میں یون پلٹ دی کس نے چمن کی کایا

تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدار تحسین
تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی جچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہم کو انکا نشان نہ پایا

نفس دعوی بیگناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا

حق نے احسان میں کی اور میں نے کفران میں کمی
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ ساز آیا کبھی
چپکے چپکے نفس خائن کا کہا کرتا رہا

طاعتوں کی تہ سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
وار اُن کا اس لیے اکثر خطا کرتا رہا

نفس میں جو نا روا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اُس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
مُنہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاق تحسین پر سنی تحسین سدا — حق ہے جو دونِ ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق میں — کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا
نہ صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد — یہ گُر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنھیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا — اُنھیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنھیں مُنہ — اُنھیں خاصوں پہ مُنہ آنا پڑے گا
رہے وصفِ بتاں کی مشق واعظ — تمھیں بچوں کو پھُسلانا پڑے گا
سخن میں پیروی کی گر سلف کی — انھیں باتوں کو دُھرانا پڑے گا

قطعہ

تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ ۱ یہ عقدہ ہم کو سُلجھانا پڑے گا
بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہمنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہیں بو اُنس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا
دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمین اپنے رونا پڑے گا　　یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا

عزیزو کہان تک یہ آتش مزاجی　　تمھین جلد تر خاک ہونا پڑے گا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی　　بس اب دل سے شکوون کو دھونا پڑے گا

بن آئے گی ہرگز نہ یان کچھ کیے بن　　جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی مین حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تلک اے ابر کرم ترسائے گا　　مینھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا

پھل کچھ اے نخل وفا تجھ مین نہین　　جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام　　آج اگر آیا نہین کل آئے گا

ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد　　اک یہ لپکا دیکھیے کب جائے گا

قطعہ

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے　۱　پر مزا آنے کا یان کیا پائے گا

آئے گا اور ہم کو شرمائے گا مُفت　۲　اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا

عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم　۳　ہمیہ مُنہ آئے گا مُنہ کی کھائے گا

دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف[1]　　رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا

باغ و صحرا مین ہے جو تنگ دل　　جی قفس مین اُس کا کیا گھبرائے گا

قطعہ

رنگ گردون کا ہے کچھ بدلا ہوا　۱　شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا

ابر و برق آئے ہین دونون ساتھ ساتھ　۲　دیکھیے برسے گا یا برسائے گا

مشکلون کی جسکو ہے حالی خبر

مشکلین آسان وہی فرمائے گا

وان اگر جائین تو لیکر جائین کیا　　مُنہ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائین کیا

---

[1] برسنا ۔ غصہ ظاہر کرنا ۔ ۱۲

دل مین باقی ہی وہی حرص گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائین کیا

آؤ اُسکو لین ہمین جاکر منا
اُسکی بے پروائیون پر جائین کیا

دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہی اُنس
ایسے وحشی کو کہین بہلائین کیا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائین کیا

عمر کی منزل تو جون تون کٹ گئی
مرحلے اب دیکھئے پیش آئین کیا

دل کو سب باتون کی ہی ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائین کیا

مان لیجے شیخ جو دعوی کرے
اِک بزرگ دین کو ہم جھٹلائین کیا

ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائین کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

کردیا اُس نے تو اپنے سے غافل ناصح!
اِس کو کیون بھولتے گر اِس کو بھلایا جاتا

چُپ چُپاتے اُسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مڈبھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زورون پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تونے دکھایا ہی کہ دکھ جاتا ہی
چیونٹی کا بھی اگر دل ہو دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لیکے نہ آیا یارو
تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا
گودیون مین تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیون شیخ کو کہتے ہین کہ عیار ہے وہ
اُس کی صورت سے تو ایسا نہین پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہمسے اب جان کے دھوکا نہین کھایا جاتا

کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت مین لگا جب تو لگایا غم عشق
کسی دھندے مین تو آخر یہ لگایا جاتا

اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہاں میں کہیں اک نام ہو گویا — راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا

کچھ کرتے ہیں جو بات وہی انگشت نما ہیں — بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا

ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام — جو کام ہیں ان کا ہی انعام ہے گویا

ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں سامان — آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا

اٹھتا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بری طرح — آغاز ہی الفت کا سرانجام ہے گویا

ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام — اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بیکار
کرنا اسے باقی یہی اک کام ہو گویا

ق

خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا — تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا

تھا آفت جاں اس کا انداز کماں داری — ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا

پچھتا اپنی حقیقت کی گر تجھ کو خبر ہوتی — میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

کچھ لطف بناوٹ میں کیا سنتا تھا قاصد — ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

باتوں میں شکایت کی بو آتی ہے الفت کی — گر دل میں جگہ ہوتی تب بھی گلا ہوتا

ہم رو کے وداع اس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت — رونا تھا بہت ہم کو رونے بھی تو کیا ہوتا

گر کیا صبر دل تجھ سے سن کر مری بیتابی — ہم کو بھی تعلق ہوتا اور تجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح — کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

کچھ جان سے دے گذرے وہ چاہے سو کر گذرے — گر آج نہ تم آتے کیا جانیے کیا ہوتا

اب حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ — سننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
تھا حسن میزبان کوئی مہمان نہ تھا

ہم کو بہار مین بھی سر گلستان نہ تھا
یعنی خزان سے پہلے ہی دل شادمان نہ تھا

کھلتے ہی اُن کے پھول گئین کلفتین تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا

کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ مین
تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا

سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمھارا زیان نہین
تم جانتا کہ بزم مین اک خستہ جان نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب
مجکو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا

رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یان
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گران نہ تھا

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلمین چبھ گئی
مانا کہ اُسکے ہاتھ مین تیر و سنان نہ تھا

بزم سخن مین جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن مین حالی جادو بیان نہ تھا

ق

رنج اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہونچا مری رسوائی کا

عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا

تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا
کس کو دعوی ہے شکیبائی کا

ایک دن راہ پہ جا پہونچے ہم
شوق تھا بادیہ پیمائی کا

اُس سے نادان ہی بن کر ملیے
کچھ اجارہ نہین دانائی کا

سات پردون مین نہین ٹھہری آنکھ
حوصلہ کیا ہے تماشائی کا

درمیان پائے نظر ہے جب تک
ہم کو دعوی نہین بینائی کا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل
مجھکو ڈر ہے تری خودرائی کا

بزم دشمن مین جچی [illegible] سے اترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

یہی انجام تھا اے فصل خزاں
گل و بلبل کی شناسائی کا

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
ہو چکا کام توانائی کا

محتسب عذر بہت ہیں لیکن
اذن ہمکو نہیں گویائی کا

ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
رو رو کے ہم کو اور رلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخل ایمن و ہر سنگ طور تھا

درد اک لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا

جانی نہ قدر رحمت حق پارسا نے کچھ
ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

دُردی کشانِ بزم مغاں کا نہ پوچھ حال
ایک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا

اب بار یاب انجمن عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرم بزم حضور تھا

روز وداع بھی شب ہجراں سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
پھر نماز نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائیگا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا

تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

اے دل رضائے غیر ہے شرط رضائے دوست
زنہار بار عشق اٹھایا نہ جائے گا

دیکھی ہیں ایسی ان کی بہت مہربانیاں
اب ہم سے منہ میں موت کے جایا نہ جائے گا

مے تند و ظرف حوصلۂ اہل بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر
دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر
کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہل دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

ق

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
اگر تیر اس کا خطا ہو گیا

سبب ہو لب پہ آتا نہ عذر
مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا

وہ امید کیا جس کی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا
وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا

نہ تھی میری امید جس کو جواب
رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

ق

سنگ گراں ہو رہا ہے کہیں یار کا
اب دیکھنا ہے زور دل بیقرار کا

اک خوشی ہو گئی ہے قتل کی دوستو اب
وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

آ دیکھنا کبھی وہ خلش آرزوئے قتل
کیا اعتبار زندگی مستعار کا

ہم خوش ہیں گو نہ شکوہ ہوں اُن سے ناگوار ہے
ملتا نہیں محل گلہ روزگار کا

سمجھو غنیمت اگر تمہیں ہو آدمی کی قدر — میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال — سن لیں گے وہ مآل شب انتظار کا
اب بوئے گل پہ ہوا کب دل حزیں — ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گرد ناقۂ لیلیٰ بلند ہے — پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے شغل نے وطن کو بھلا دیا — خانہ خراب خاطر الفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہو کوئی کے ہو چکے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوا سے کیا مطلب — کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے ۔ ذکر جمیل — خضر و آب بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہے نفس کی تسخیر — ظل بال ہما سے کیا مطلب
جو کرینگے بھریں گے خود واعظ — تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلماں ہیں — اُن کو زاہد خدا سے کیا مطلب

قطعہ
۱ کام ہے مردمی سے انساں کی — زہد یا اتقا سے کیا مطلب
۲ ہے اگر رند دامن آلودہ — ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب
۳ صوفی شہر با صفا ہے اگر — ہو ہماری بلا سے کیا مطلب
۴ نکہت مے پہ غش ہیں جو حالی
اُن کو دُرد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب — چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا — چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قید ہستی دنیا سے ننگ تھا — وہ دل اسیر حلقۂ زلف بتاں ہے اب

آتے نہ تھے جب اسکی تمنا مین کچھ مزا
کہتے ہین لوگ جان کا اسمین زیان ہواب

لغزش نہو بلا ہے حسینون کا التفات
اے دل سنبھل وہ دشمن جان مہربان ہواب

اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہین اور آستانۂ پیر مغان ہواب

ہے وقت نزع اور وہ آیا نہین ہنوز
ہان جذب دل مدد کہ دم امتحان ہواب

ہے دل غم جہان سے سبکدوش اندنون
سر پر پڑا سو جھتا کوئی بار گران ہے اب

حالی تم اور ملازمت پیر مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہو وہ تقوی کہان ہواب

پ

یہ ہین واعظ سبب خود آتے ہین آپ
ناصح قوم اسپہ کہلاتے ہین آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے
کیون زبان [illegible] کھلاتے ہین آپ

ہے صراحی مین ہی لذت کہ جو
[illegible] لاتے ہین آپ

واعظو ہے اُن کو شرمانا گناہ ۱
جو کسی سے [illegible] شرماتے ہین آپ

کرتے ہین اک اک کی تکفیر آپ کیون ۲
اپنے ہی کچھ غور فرماتے ہین آپ

کرتے ہین آباد دوزخ کو حضور
خلد کو ویران کرواتے ہین آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
[illegible] کیون اپنا [illegible] ہین آپ

ت

گو جوانی مین تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہین ہر سو تماشائی بہت

ہٹ پہ اسکی اور پس جاتے ہین دل
راس ہے کچھ اس کو خود رائی بہت

سرو یا گل آنکھ مین جچتے نہین
دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا حجر — راحت اس تکلیف میں پائی بہت
آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا — دوستو یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت
وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے — مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت
جاں نثاری پر وہ بول اٹھو مری — ہیں فدائی کم تماشائی بہت
ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا — خاکساری اپنی کام آئی بہت
کر دیا چپ واقعات دہر نے — تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت
گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی — یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت — نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل — کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت
ہے غم روز جدائی نہ نشاط شب وصل — ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار — اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
دیکھیے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے — صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت
واعظو آتش دوزخ سے جہاں کو تم نے — یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت
کیا خبر زاہد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص — اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت
میں بچا تیر حوادث سے نشانہ بن کر — آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
شوق میں اس کے مزا درد میں اس کے لذت — ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
حملے اپنے پہ بھی اک بعد ہزیمت ہے ضرور — رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا — راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
[illegible] آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار — پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

اُنکو حالی بھی بلاتے ہین گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بتاتے ہین وہ مہربانی کی صورت
پہ چھپتی نہین سرگرانی کی صورت

جسے دیکھکر دل ہو عاشق کا بیکل
وہ ہو اور ہی مہربانی کی صورت

ق

شب وعدہ ہو بارہا انکے در پر
مرے حق مین اک پاسبانی کی صورت

غم دل نے رسوا کیا ہم کو آخر
بنائی بہت شادمانی کی صورت

ہوا اس کشش پر وہمہ کیا خوب کھلتا
ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت

یقین ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہین مرنا
یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھکر کرو قتل حالی کو دیکھو
نشانہ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہین ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ
دل کو یہ کیسی لگادی تونے چاٹ

بیچ رہی ہے کان ہین پچ کے ٹہنی
اور مُفتی لے گئی ہین ٹھاٹ

ناؤ ہے بوسیدہ اور موجین ہین سخت
اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ

اک کہانی ہے پسر زن کی رہگئی
راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ

دیر سے مسجد مین ہم آگئے تو ہین
ہے گریبان جی مین ملے زاہد لپاٹ

جو کہے تجکو بنا دین اے امیر
ہین بہت سرکار کی محفل مین بھاٹ

ملتین رستون کے ہین سب ہیر پھیر
سب جہازون کا ہے لنگر ایک گھاٹ

برق منڈلاتی ہو اب کس چیز پر
ٹڈیان کب کی گئین کھیتی کو چاٹ

تیغ مین بُرّش ہے سے حالی نہین
جسقدر تیری زبان کرتی ہو کاٹ

چٹکیان بھی ملین ہیلیتا ہو کون
شعر تو ظاہر مین ہین تیرے سپاٹ

ش

باپ کا ہے جبھی پسر وارث
ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث

گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا
تیرا ہے کون اے ہنر وارث

فاتحہ ہو کہاں سے میت کی
لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث

ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ
کریں میراث سے حذر وارث

خاک کریاں کو رو خویش و تبار
ایک میت اور اس قدر وارث

واعظو دین کا خدا حافظ
انبیا کے ہو تم اگر وارث

قوم بے پر ہے دین بیکس ہے
گئے اسلام کے کدھر وارث

ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

بھید واعظ اپنا کھلوایا عبث
دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث

جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
رات بھر یاروں کو تڑپایا عبث

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
سب کو الزام تو نے ٹھہرایا عبث

کوئی پنچھی آ کے اب پھنستا نہیں
آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث

آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جلکر ہوئیں یارو کی خاک
ابر ہے گھر کر اٹھ آیا عبث

قوم کا حالی پنپنا ہے محال
تم نے رو رو سب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج

چپ پہ اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
بات بگڑی بنی بنائی آج

ہے یہ سب اونچی دوکان اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہین
سبحۂ و سجادہ ہیچ اور جُبّہ و دستار ہیچ

ہو گرجتے جسقدر اتنے برستے تم نہین
اے فصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

رو لی تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشمِ گوہربار ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عالمِ مردار خوار
کر دیے آفاق کے سب خوان و خوان سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ جو کچھ ہے رئیس شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھین تو ہین سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے اُستادون کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک مین ایسے ہی اب دوچار ہیچ

ح

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانون کی طرح
جو سدا رہتے ہین چوکس پاسبانون کی طرح

منزلِ دنیا مین ہین پا در رکاب آٹھون پہر
رہتے ہین مہمان سرا مین میہمانون کی طرح

سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہین
جھیلتے ہین سختیون کو سخت جانون کی طرح

رسم و عادت پر ہین کرتے عقل کو قربان وہ

نفس پر رکھتے ہین کوڑا حکمرانون کی طرح

شادمانی مین گذرتے اپنے آپے سے نہین
غم مین رہتے ہین شگفتہ شادمانون کی طرح

رکھتے ہین تمکین جوانی مین بڑھاپے سے سوا
رہتے ہین چونچال پیری مین جوانون کی طرح

پاتے ہین اپنون مین غیرون سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہین ایک اک کا یگانون کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی اُنھین ہو یا نہ ہو
ہین اُسے پانی دیے جاتے کسانون کی طرح

اُن کے غصے مین ہے دلسوزی۔ ملامت مین ہے پیار
مہربانی کرتے ہین نامہربانون کی طرح

کام سے کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہین بتیس دانتون مین زبانون کی طرح

طعن سن سن احمقون کے ہنستے ہین دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہین دیوانون مین سیانون کی طرح

کیجیے کیا حالی۔ نہ کیجیے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگین بیانون کی طرح

خ

مے مغان کا ہے چسکا اگر بُرا اے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور ہے لگا اے شیخ

ریا کو صدق سے ہی جام مے بدل دیتا
بھٹین کبھی ہر کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ

وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر
تماشے دیکھے ہین ہم نے بارہا اے شیخ

غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا
کبھی یہ دیکھتے ہیں ہم حصر بنا اے شیخ

زبان پہ ہوتی ہی مہر انکی جو ہیں محرم راز
پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا اے شیخ

خبر بھی ہے تمھیں ہے کیا یہی بڑے پر
قطعہ ہیں آپ جن سے بڑے کچھ نا خدا اے شیخ

وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں بیراک
۲ شناوری کا بھی گر ہے مرحبا اے شیخ

گو تن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دنیا
نہایت آپکی ہے اُن کی ابتدا اے شیخ

کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رجا کے بعد

ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد

گر درد دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا
آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد

یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد
آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد

کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد

آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر
تیرا بھی حکم گر نہیں حکم قضا کے بعد

مدت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر
یارب ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنوگے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہی رجا اے زاہد
تیرا قبلہ ہے جدا میرا جدا اے زاہد

درگذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے
تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد

ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور
کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد

قربِ حق کے لیے کچھ سوز نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہی بھلا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تم سے — تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد
جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا — فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد
عیب حالی کے بہت آج کیے تو نے بیان — ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری بوسے ساغر سے لذیذ — بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ
چسکا تو قاتل ہو پھر اس کے لیے — کون سی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب — ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ
قند سے شیریں تری پہلی نگاہ — دوسری قند مکرر سے لذیذ
چھا تجھ میں جب بھوک کی بھولے نہ تو — بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ
ہے یہ تجھ میں کس کی بو باس اے صبا — بو ہی ہے یہ مشک و عنبر سے لذیذ
جو قناعت کے ہیں حالی میہمان — اُن کو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر — وہی اصرار ہے خطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانے سے — حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہرو و باخبر رہو کہ گمان — رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا — مرتے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
اسکے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال — اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ — وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
نہیں منعم کو اسکی بوند نصیب — مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں محدود بخششیں تیری — زاہدوں پر نہ پارساؤں پر
حق سے درخواست عفو کی حالی — کیجیے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں ہم سو طرح سے جلوہ گر ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اُسکے ہیں نہ اُسکے آشنا گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سُن پاتے ہیں ہم کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر
کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب ہوں کسی کے ہمپہ لاکھ احسان اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں کھینچ کر لاتے ہیں اُسکو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قرباں کیے بغیر دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کیے بغیر
گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم بن آئے گی نہ درد کا درماں کیے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کیے بغیر
آمادہ دہر پردہ دری پہ ہے قوم کی ہر دھن کو رہے گا نہ عریاں کیے بغیر
غیرت سے اپنی یاروں کو کچھ آپڑی ہے ضد چھوڑینگے نیچاں کو نہ بیجان کیے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کیے بغیر

گو مے ہے تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر

تکفیر جو کہ کرتے ہیں اپنا سے وقت کی — چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسلماں کیے بغیر

حالی کٹے گا کاٹتے ہی سے یہ بیستوں
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کیے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ — ہو گئی اک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ

آج تک قصرِ امل ہے ناتمام — بندھ چکی ہو بارہا کھل کھل کے پاڑ

ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار — پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے — سو شبستاں ہیں اگر روشن ہیں جھاڑ

عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ — دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجاڑ

کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار — کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ

بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی — ان دنوں گھر گھر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زباں — کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز — عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز — ق

پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز — جھونکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز

لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں — ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز

آیا نہ ہوگا اس کو تغافل میں کچھ مزا — ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز

ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا — اس نے نقاب منہ سے اٹھایا نہیں ہنوز

یاں دیکھ چکی جو اب امید جواب خط — واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

پایا ہے ذوق وشوق مین ہم کو بھرا ہوا کافر نے اختلاط بڑھایا نہین ہنوز
کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تھی یاد بھولے ہین کہ تجھکو بھلایا نہین ہنوز
سرمایۂ خلاف دوعالم ہے راز دل باتون مین ہم نے زہر ملایا نہین ہنوز

کس نشے مین ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام منھ سے لگایا نہین ہنوز

جیتے جی موت کے تم منھ مین نہ جانا ہرگز دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک مین بیٹھا ہی نظر بازونکی دیکھنا شیر سے آنکھین نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی زد مین تیر صف مژگان کی جانا ہرگز
چاہت اک طلعت مکروہ ہی برقع مین نہان کسی دلالہ کے دھوکے مین نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملتے ہون پیری مین اگر حسرت سے تو جوانی مین نہ یہ روگ بسانا ہرگز
جتنے رستے تھے ترے ہوگئے ویران ای عشق آکے ویرانون مین اب گھر نہ بسانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس قدریان رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ نہ سنا جائیگا ہمسے یہ فسانا ہرگز
داستان گل کی خزان مین نہ سنا ای بلبل ہنستے ہنستے ہمین ظالم نہ رلانا ہرگز
ڈھونڈھتا ہی دل شوریدہ بہانے مطرب درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتین اگلی مصور ہمین یاد آئین گی کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
موجزن دل مین ہین یان خون کے دریا ای چشم دیکھنا ابر سے آنکھین نہ چرانا ہرگز
لیکے داغ آئیگا سینے پہ بہت ای سیاح دیکھ اس شہر کے کھنڈرون مین نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہین یان گوہر یکتا تہ خاک دفن ہوگا کہین اتنا نہ خزانا ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشان بھی اب تو اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمین ہم بھی انھین بھول گئے ایسا بدلا ہے نہ بدلیگا زمانا ہرگز

جسکو زخمون سے حوادث کے اچھوتا سمجھین — نظر آتا نہین ایک ایسا گھرانا ہرگز

ہمکو گر تونے رُلایا تو رلایا اے چرخ — ہم پہ غیرون کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یار خود روئینگے کیا اُن پہ جہان روتا ہے — اُن کی ہنستی ہوئی شکلون پہ نہ جانا ہرگز

آخری دور مین بھی تجھکو قسم ہے ساقی — بھر کے اک جام نہ پیاسون کو پلانا ہرگز

بخت سوئے ہین بہت جاگ کے اے دور زمان — نہ ابھی نیند کے ماتون کو جگانا ہرگز

یان سے رخصت ہو سویرے کہین اے عیش و نشاط — نہین اس دور مین یان تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلی — ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی یارو — یاد کر کرکے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق — اب دکھائیگا یہ شکلین نہ زمانا ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد — شعر کا نام نہ لیگا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانون نے یگانہ ہم کو — ورنہ یان کوئی نہ تھا ہم مین یگانہ ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن مین — نہ سنیگا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر — اب نہ دیکھوگے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہین بزم سخن ہے حالی
یان مناسب نہین رو رو کے رلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز — ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز

عشق کی آنچ اسمین پاتا ہون — دل ذرا دیکھتا ہون جس کا گداز

شیخ اللہ رے تیری عیاری — کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز

اک پتے کی جو ہمنے کہدی آج — رنگ واعظ کا کر گیا پرواز

ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری — ہو گئی بھول ہم کو خاک حجاز

آج منکر بھی ناچ اُٹھین گے — گر مغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ[1]

خیر ہو اے فلک کہ چار طرف ۱ چل رہی ہین ہوائین کچھ ناساز

رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ ہین دگرگون زمانہ کے انداز

ہوتے جاتے ہین زورمند ضعیف ۳ بنتے جاتے ہین مبتذل ممتاز

چھپتے پھرتے ہین کبک و تیہو سے ۴ گھونسلون مین عقاب اور شہباز

ہے نہتون کو رہگذر مین خطر ۵ رہزنون نے کیے ہین ہاتھ دراز

ٹڈیون کا ہے کھیتیون پہ ہجوم ۶ بھیڑیون کے ہین خون مین لب آز

ناتوانون پہ گِدھ ہین منڈلاتے ۷ گھائلون پہ ہین تیز تیر انداز

تشنۂ خون ہین بھوکے شیرون کے ۸ حیلہ گر روبہون کے عشوۂ ناز

دشمنون کے ہین دوست خود جاسوس ۹ اور یارون کے یار ہین غماز

ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ ۱۰ ہے پُرآشوب جبکہ یہ آغاز

لَے ابھی تک کھلی نہین لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز

وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج حائل ہے اور ہوا ناساز

یا تھپیڑے ہوا کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش مین ڈوب جہاز

کام اُسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہین جس کا شریک اور انباز

ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یان کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیان اپنے پاس
رکھتے ہین عاصی کمندِ صیدِ غفران اپنے پاس

عاجزون سے معتذر کرتے ہین اکثر درگذر
عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضوان اپنے پاس

[1] یہ قطعہ اسوقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد سرویہ، مانٹینگرو اور روس کے مقابلہ مین اخیر صدمہ پہنچا۔

ہوگئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس

بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درمان اپنے پاس

دستبُردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مُہرِ سلیمان اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضعِ فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویزِ استخلافِ حان اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصورِ مژگانِ یار بس
کافی ہے خارِ خارِ غمِ روزگار بس

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا
گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس

ڈرہی دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس گئیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر
کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی سی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو جو سیرِ ایام ہے درپیش
بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے
اور معرکۂ گردشِ ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرض صعب کا آغاز
اب اس مرض صعب کا انجام ہے درپیش

گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جون تون کٹی اب شام ہے درپیش

وہ وقت گیا نشہ تھا زورون پہ جب اپنا
اب وقت خمار مے گلفام ہے درپیش

امید شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہمین پیغام ہے درپیش

جی اس کا کسی کام مین لگتا نہین بیمار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہین عطائین خاص خاص
ہر مرض کو راس ہین اسکے طبیبون کی دوائین خاص خاص

دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دنیا سے مگر
پھرتی ہین آنکھون مین اسکی کچھ ادائین خاص خاص

گو زمانے نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل
یاد ہین نغمے اور بلبل کی صدائین خاص خاص

زہد و تقوی سے نہین ہوتین دعائین مستجاب
وقت نازک پر خدا سے ہین [illegible] خاص خاص

یون تو ہے امید سب کچھ پر ہون شاید ہم نجات
وہ جو کی ہین تمنے اے حالی خطائین خاص خاص

درد اور درد کی ہے سب کی دوا ایک ہی شخص
یان ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حور و غلمان کے لیے لائین دل آخر کس کا
ہو چکے دیتا نہین یان عہدہ برآ ایک ہی شخص

قافلے گذرین وہان کیونکر سلامت واعظ
ہو جہان راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر مین
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جلوے دیکھے ہین جن لوگون نے ان آنکھون نے
آج دنیا کو بھی ہے انکو دکھا ایک ہی شخص

گھر مین برکت ہے مگر فیض ہے جاری شب و روز
کچھ نہین سچ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضون کا زمانے کے ہے حالی پہ نچوڑ
شاعر اس سا نہ حالی مین ہے کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض
چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض

دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب
راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

حاجیو ہے ہم کو گھر والے سے کام
گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض

گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو
ان کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض

نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا
ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض

دوست ہیں جب زخمِ دل سے بے خبر
ان کو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض

عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث
شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض

کر چکا جب شیخ تسخیرِ قلوب
اب اسے دنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالیؔ پئے تسلیم یاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا کار دشمنوں اعراض
دوستوں ہی کا کام ہے اغماض

چاہیے ایک سب کا ہو مقصود
کیوں ہوں سب کے جدا جدا اغراض

یاد میں تیری سب کو بھول گئے
کھو دیے ایک فکر نے سب امراض

دیکھیے تو کہیں خوش ہے یا ناخوش
اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

ما اُبالی بات ناس یعتبی
کل ناس و انت عنی راض

منعم [illegible] میں یہ دیکھ
اپنا مطلب اور سب سے اغماض

حق میں اوروں کے سخت ناکس ہیں
جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض

راستے سے کچھ علیل سی ہے تری
[illegible] اسے بیاض

وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ
منہ میں ان کے زبان ہے یا مقراض

ہے فقیہوں میں جو ہم میں نزاع
قل لنا فی نزاعنا من قاض

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد | خار کش تجھ سے ہیں سوا مرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقین | چاہیے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سنی نہیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دور نشاط | طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دل سے خوش ہیں ہو گئیں اب گوشہ گیر | نام تھا سنتا یہ جوانی کا نشاط
دن اب یہ دل منقبض رہنے کے ہیں | ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزان | فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ | جائیو واعظ اسے راہ صراط
تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ | ہم کرین پینے میں کیوں پھر احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قوی میں دمبدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں احرار واعظ | برا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر | نہ ستار ہے تو نہ غفار واعظ
نکل آئے گی بیکسی کی بھی علت | کوئی ڈھل گیا گر ہمیں یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن | سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
ہیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن | یہ جبہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نہ چھوڑیگا زیور گھروں میں نہ زر تو | یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ
مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے | ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع — اے شباب اے شادمانی الوداع

اے بیاضِ صبحِ پیری السلام — اے شبِ شستہ جوانی الوداع

السلام اے قاصدِ ملکِ بقا — الوداع اے عمرِ فانی الوداع

روزگارِ ضعف و سستی الصلا — وقتِ سعی و جانفشانی الوداع

فرصتِ عشق و جوانی الفراق — دورِ عیش و کامرانی الوداع

قطعہ

۱ تجھکو سمجھے تھے نسیمِ جاودان — اے نسیمِ جاودانی الوداع

۲ تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں — اے خدا کی مہربانی الوداع

۳ لگا حالی کنارے پہ جہاز

الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کنجِ چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ — دیکھ اس خرامِ ناز پہ اتنا نہ کر دماغ

ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں — چلنے یہاں اُچھل کے نہیں ایکدم فراغ

یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو — بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

دو چار گام نقشِ قدم مل سکے تو ہیں — آگے چلا نہ آہوے مشکین کا کچھ سراغ

آئین ہیں وہ شوق سے جو اہلِ آرزو — ساقی بھرے ہے کھڑا ہے مے لعل سے ایاغ

جنگل میں تختۂ گل خود رو کو دیکھکر — تازہ ہوا زمانہ کی نا قدریوں کا داغ

حالی ابھی پڑھے اسے تھے کچھ بزمِ شعر میں

بادِ تپاں کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملّا نے کچھ بتایا صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی ‌ ‌ ‌ مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھلتے ہم ‌ ‌ ‌ صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ ‌ ‌ ‌ تم کو بھی ہمنے کچھ نہ پایا صاف
کیون فقیہون سے رک گئی حالی ‌ ‌ ‌ بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہین یار کی محفل مین بار کے لائق ‌ ‌ ‌ نہ اپنا کلبۂ احزان ہے یار کے لایق
کرے گا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال ‌ ‌ ‌ نہین یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لایق
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ ‌ ‌ ‌ بہت ہے زندگی مستعار کے لایق
غرور و حرص ہین زیور عروس دنیا کے ‌ ‌ ‌ بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لایق
کرے گی باد بہار آکے اب کسے سرسبز ‌ ‌ ‌ رہا نہ باغ قدوم بہار کے لایق
بس اب ہے فضلۂ روباہ و کرگ پر گذران ‌ ‌ ‌ رہا نہ شیر ژیان خود شکار کے لایق
گنہ کا عذر کرین محتسب ہم آنکھون سے ‌ ‌ ‌ ہمارے جرم ہون گر اعتذار کے لایق
گرہ مین دام نہ دفتر مین نام ہے حالی ‌ ‌ ‌ تھین تو شہر مین ہو اعتبار کے لایق
یہ ہمنے مانا کہ تم مین ہنر بھی ہین کچھ کچھ ‌ ‌ ‌ مگر نہین کوئی خوبی شمار کے لایق

ک

دلون کا کھوٹ اگر کہیے برملا ایک ایک ‌ ‌ ‌ تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
سلامتی کو وہان قافلون کی رو بیٹھین ‌ ‌ ‌ جہان ہے راہزن خلق رہنما ایک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر ‌ ‌ ‌ بنا ہے غوث زمان آجکل گدا ایک ایک
رہا ہون رند بھی اے شیخ پارسا بھی مین ‌ ‌ ‌ مری نگاہ مین ہے رند و پارسا ایک ایک
وفا کی ایک بھی سے امید ہو اس وقت ‌ ‌ ‌ کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
چھپا کے اس سے قصور اپنے ہم بہت شرمائے ‌ ‌ ‌ جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا کیا ہے جس نے حق خواجگی ادا ایک ایک
امیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور تو موج بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو ورق جب اُسکا اڑا لے گئی ہوا ایک ایک
بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہے اب نہ وہ ہم پہ دل پہ نقش ہے اب تک تری صدا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی پہ نگارش جہان
رہیگی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک

ک

عالم آزادگان ہے اک جہان سب سے الگ ہے زمین اُن کی اور اُن کا آسمان سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں سے بندشوں سے بے لگاؤ رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیان سب سے الگ
دوست سمجھے ہیں جہان سارا اپنا ہو یا بیگانہ ہو ہے عشیرہ اور اُن کا خاندان سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں ہے کوئی بھیدی نہ اور اُن کا رازدان سب سے الگ
جانچتے اوروں کو ہیں خود سے لے کے اپنا امتحان رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
اک چمن زیر تفرج رکھتے ہیں زیر بغل روضہ و بستان و فردوس و جنان سب سے الگ
کالبد احرار ہے روشن اُن کا جب رہتا ہے ہے وہ نور مہر و ماہ و کہکشان سب سے الگ
سیکڑوں بستے ہیں یاں جھگڑا ہوا ہے بند بند پر بٹے کوئی دل اُن کا تو وان سب سے الگ
شاعروں سے کہے ہیں سب افسانہ ہجر کے ہوسے دردمندوں کا ہے دکھڑا اور بیان سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ

صلح ہے اک مہلت سامان جنگ کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہد گیتی پہ نہ پھولیں کامران آخر اس کی آشتی لائے گی رنگ

علم گیا - اخلاق گیا - ہتھیار گیا
سب تشبر کے مار رکھنے کے ہین ڈھنگ

روکیے بدخو کو بدخوئی سے کیون
آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہد و طاعت پر جوانون کی نہ جاؤ
یہ بھی ہر اک نوجوانی کی ترنگ

پاکبازون کو نہین کچھ قیدِ وضع
جو ہین اچھے اُن پہ سب کھلتے ہین رنگ

کام کا شاید زمانہ ہو چکا
دلمین اب اٹھتی نہین کوئی اُمنگ

وہ عجائب نظر آتے ہین کھیل
دیکھ پہلے جن کو رہجاتے تھے دنگ

کاہشون سے پرورش پاتی ہے روح
اب لگا کھایا پیاسب آکے انگ

عقل شاید ملک مین باقی ہے کچھ
ہر ابھی کچھ حاصل افیون و بھنگ

بڑھ گیا ہے رحم انسانی بہت
ہوگی ایجاد اب نئی توپ اور تفنگ

قوم کو حالی نہین راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمیشہ رنگ

ل

ہو گئے ہین ہم ہی کچھ اور آج کل
یا زمانہ ہی گیا یارب بدل

رہ گئے ہین کچھ آثارِ سلف
اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل

اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہین
ورنہ گرگر کر گئے لاکھون سنبھل

کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر
آگیا بنیاد مین جس کی خلل

ناؤ ڈوبے یا کہین کھیوا ہو پار
تیری حد بھی کچھ ہے اے طول امل

اب لگاؤ پودہ کچھ اپنی نئی
لاچکے پودے بہت اگلون کے پھل

دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاس وضع
ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل

کوششون مین کچھ مزا آتا نہین
وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

مدرسے میں دہر کے رو بہ قضا بیٹھے تھے ہم
اُٹھ بیٹھے ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہیں آنا ہے ہم کو عشرتِ فانی کو لوٹ
زالِ دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہلِ ریا کی سب گئیں نظروں سے گر
بزمِ رنداں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
ورنہ دھوکا دور سے کچھ اس کو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ کہتے تھے کہ واعظ رشتہ خوبی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ بڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہمسے خود دنیا ہی تنہا ہی کہ حالی رہ گیا ہاں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو گئے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمہ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیق ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
دردِ خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

کڑھتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
حالِ نفسِ دوں کا اتنا ہی برا پاتے ہیں ہم

جسقدر جھک جھک کے ملتے ہین بزرگ و خرد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے مین سوا پاتے ہین ہم

گو بھلائی کرکے ہمجنسون سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشین اس مین مگر دُردِ ریا پاتے ہین ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیر ردا پاتے ہین ہم

راہ کے طالب ہین پر بے راہ پڑتے ہین قدم
دیکھیے کیا ڈھونڈھتے ہین اور کیا پاتے ہین ہم

نور کے ہمنے گلے دیکھے ہین ای حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپون مین نیا پاتے ہین ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتان سے ہم
سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازدان سے ہم

اب بھاگتے ہین سایۂ عشق بتان سے ہم
کچھ دل سے ہین ڈرے ہوے کچھ آسمان سے ہم

خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہین
آئے ہین آج آپ مین یارب کہان سے ہم

درد فراق و رشک عدو تک گران نہین
تنگ آگئے ہین اپنے دل شادمان سے ہم

جنت مین تو نہین اگر اے زخم تیغ عشق
بدلین گے تجھ کو زندگی جاودان سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
آئے ہین آج چھوٹ کے قید گران سے ہم

ہنستے ہین اُسکے گریۂ بے اختیار پر
بھولے ہین بات کہہ کے کوئی رازدان سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتین کیا کرو
کچھ پا گئے ہین آپ کی طرز ادا سے ہم

دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ مین
ملتے ہین جا کے دیکھیے کب کاروان سے ہم

لذت تری کلام مین آئی کہان سے یہ
پوچھین گے جا کے حالی جادو بیان سے ہم

ن

یارون کو تجھ سے حالی اب سر گرانیان ہین
نیندین اچاٹ دیتی تیری کہانیان ہین

یاد اسکی دل سے دھو دے ای چشم تر تو مانون
اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیان ہین

بنتے ہین غیر اپنے ہوتے ہین رام وحشی
الفت کی بھی جہان مین کیا حکمرانیان ہین

غیبت ہو یا حضوری دونو بری ہین تیری
جب بدگمانیان تھین اب بدزبانیان ہین

کہتے ہین جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظون کی باقی رنگین بیانیان ہین

رحمت تری غذا ہے غصّہ ترا دوا ہے
شانین ہین تیری جتنی جان جہانیان ہین

ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہربان تو
کچھ ان دنون تو ہمپر نامہربانیان ہین

اپنی نظر مین بھی یان اب تو حقیر ہین ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیان ہین

روتے ہین چار ہمپر ہنستے ہین چار ہمپر
یان تک ہماری پہونچی اب ناتوانیان ہین

ہر حکم پہ ہون راضی ہر حال مین ہین خوش
حصہ مین اب ہمارے یہ شادمانیان ہین

خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
کچھ مقبرون مین باقی ان کی نشانیان ہین

دیکھا نہین ابھی تک قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیان ہین

کھیتی کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کرلو نوجوانو اٹھتی جوانیان ہین

فضل و ہنر بڑون کے گر تم مین ہون تو جانین
گر یہ نہین تو بابا وہ سب کہانیان ہین

رونے مین تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خون فشانیان ہین یا گلفشانیان ہین

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہین اک آن ہمین
اب نہ سنین گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمین

کچھ روز تو غفلت مین پھرے یان ڈھونڈھتے ہم آسایش کو
کھُل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمین

چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیے ہوش حریفون کے
زد سے بچین یا مات قبولین اتنے نہین اوسان ہمین

پاس انھین گر اپنا ذرا ہو جیسا ان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہین خود نامنصفیان اور کہتے ہین ناقدردان ہمین

داد طلب سب غیر ہون جب تو ان مین کسی کا پاس نہ
بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمین

صحرا مین کچھ بکریون کو قصّاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یاد احسان ہمین

یان تو بدولت زہد و ورع کے بندھ گئی خاصی عزّت سے
بن نہ پڑا پر کل کے لیے جو کرنا تھا سامان ہمین

سُر بھی وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غُل تو بہت یارون نے مچایا پر گئے اکثر مان ہمین

غیر سے اب وہ بیر نہین اور یار سے اب وہ پیار نہین
بس کوئی دن کا اب حالی یان سمجھو تم مہمان ہمین

کی تو ہین ہمنے بھی حالی کوچ کی تیاریان — سوجھتی ہین راہ مین لیکن بہت دشواریان
خواب راحت مین وہ لذت تیری اے پیری نہین — جو جوانی مین مزا دیتی تھین شب بیداریان
ہین اگر بیدردیان اپنون کی دل کو ناگوار — ناگوار اُن سے سوا غیرون کی ہین غمخواریان
ہو کہین اقبال کی نوبت کہین ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریان
زیست بے عقلون کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی لے عاقلو اچھی نہین ہشیاریان
بے مزہ ہو اہل دین کی ترشروئی بھی مگر — اس سے پھیکی اہل دنیا کی ہین ظاہرداریان

گو طبیعت سے گئے سب مادّہ فاسد نکل
کم ہوئین حالی نہ لیکن نفس کی بیماریان

راز دل کی سر بازار خبر کرتے ہین — آج ہم شہر مین خون اپنا ہدر کرتے ہین
عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید — جنتی جتنے ہین سب ہمسے حذر کرتے ہین
جُرم خالق سے سوا پاتے ہین جُرم فقہا — جب کہ ہم اپنے گناہون پہ نظر کرتے ہین

کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ! بول قوال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں
زہد و طاعت کا سہارا انہیں جیسے زاہد یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب ہنر دکھلاؤ ورنہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
غم و رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ دل دکھاتے ہیں وہی جن میں کہ گھر کرتے ہیں
جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی رک جاتا ہے اک لگاوٹ میں ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں
اک یہاں جینے سے بیزار ہیں ہم یارب یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
تلخیاں زیست کی تھوڑی سی ہی ہیں باقی یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
قیصر و زار کا یاں بیٹ تو بھر نا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں رخنے نکلیں گے سیکڑوں اسمیں
کی نصیحت بری طرح ناصح اور اک بس ملا دیا بس میں
ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے چشم انساں و چشم نرگس میں
بیقدم دم ہیں خانقاہوں میں بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز اب دھرا کیا ہے اسمیں اور اسمیں
نہو قبضے میں جب عنان فرس ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہو اہل نعمت کو وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں
جانور آدمی فرشتہ خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل چرخ صلح جو ہے بہت دیکھیے ہو بگاڑ کس کس میں
کی ہے خلوت پسند حالی نے اب نہ دیکھو گے اُس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہین
ہین مے ناب کے دلال قدح خوار نہین

شہر مین اُن کے نہین جنس وفا کی بکری
بھائو ہین پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہین

کون سے وہ گل رعنا پہ نواسنج نہین
کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہین

کبھی لیلیٰ پہ ہین مفتون کبھی شیرین پہ فدا
اور جو پوچھو تو دونو سے سروکار نہین

اُٹھ نہین سکتی سزا جرم وفا کی اُن سے
دل پھنسا کر کہین بنتے وہ گنہگار نہین

عیش مین جان فدا کرنے کو تیار ہین وہ
اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہین

نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
دربدر جھانکنے پھرنے سے اُنھین عار نہین

بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہل ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ مین دوچار نہین

دعوی عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے
اِن مین گفتار ہی گفتار ہے کردار نہین

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہین
کہہ دو واللہ کہ صادق نہین زنہار نہین

پھونکا ہے فصل گل نے صور آکے پھر چمن مین
اک حشر سا ہے برپا مرغان نغمہ زن مین

بلبل کے آگ سی کچھ تن من مین لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن مین

باد صبا گئی پھونک کیا جانے کان مین کیا
پھولے نہین سماتے غنچے جو پیرہن مین

چپ ہے زبان سوسن حیران ہے چشم نرگس
قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن مین

ہین اور تو ادائین ساری سہی قدون کی
پڑتی ہے جان باقی بس سرو نارون مین

ہے عید اہل اسلام یا موسم بہاران
جنگل بسا ہوا ہے سب عطر یاسمن مین

منہ سے دھوان سا اُٹھا لیتے ہی نام اسلام
بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن مین

پھر زخم پھوٹ نکلا حالی نہ چھیڑنا تھا
فصل خزان کا قصہ ذکر گل و سمن مین

گو رو چکے ہین دکھڑا اس بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصۂ کہن مین

وہ قوم جو جہان مین کل صدر انجمن تھی
تم نے سنا بھی؟ اسپر کیا گذری انجمن مین

پائیں بزم میں بھی اب ملتی نہیں اُسے جا — روندن میں ہے وہ گلبن کھلا تھا جو چمن میں

رونے کی جون میں ہے مرغوب اب وہ ملّت — تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن میں

وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن کی[1] — ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی یمن میں

وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے — ہے کال موتیوں کا اب سربسر عدن میں

قبر اویس پر ہے بس فخر اب قرن کو — زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں

اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑا دی — فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں

ڈالی نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید — جو ابکی تو نے مل چل ڈالی ہے انجمن میں

فوج اور بھیڑ دونوں پھرتی ہیں بے سری سر — گویا امیر لشکر مارا گیا ہے رن میں

خرد و بزرگ سارے ہیں بد حواس گویا — لٹنے کی قافلے کے پہونچی خبر وطن میں

بھولی ہوئی ہیں ڈگریں ہرنوں کی چوکڑی سب — جائیں کدھر کہ ہر سو دون لگ رہی ہے بن میں

حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی — مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے پہ پیکاں یا ہے زباں دہن میں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں — اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دورِ جام اول شب میں خودی سے دور — ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں

یا رب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اسکو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

بس ہو چکا بیان کسل و رنجِ راہ کا — خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں

کون و مکاں سے ہے دل وحشی کنارہ گیر — اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

---

[1] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے۔ اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمۃ یمانیہ رکھا ہے ۱۲"

ہم جیسے مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو زبان میں اثر کہاں

حالی نشاط نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں

پیالہ ہمنے نہ جام بے کدورت بزم دوران میں — خزاں کو لے گئے ہمراہ اگر پہونچے گلستان میں

نہیں کچھ منحصر آلودگی زلف پریشان میں — جو دل چاہے تو اٹھے اک غبار [illegible] میں

اگر چھوڑا الگ مند جذبۂ عشق زلیخا نے — نہ رہنے دے گا حسن خوبرو یوسف کو کنعان میں

تصور نے بھلایا تیرے ذوق شادی و غم کو — نہ کچھ کلفت ہے زندان میں نہ کچھ راحت شبستان میں

خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آتا ایک حالت پر — کہاں تک جی نہ گھبرائے الٰہی درد ہجران میں

زبان تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز — نہ پوچھو ہمسے کیا دیکھا ہے ہمنے بزم [illegible] میں

فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کام دل اے خضر — سوا طول حسرت کیا دھرا ہے آب حیوان میں

نہ چھوڑے گی محبت یار سے ناکام عاشق کو — نسیم مصر کو آنا ہے اکدن بیت احزان میں

گل و نسرین تو کیا وقت ہیں جی تک چھوٹ جاتا ہے — ہمارا ابھی کبھی لگتا تھا دل سیر گلستان میں

بہت دن چاہ میں یوسف کو تا پہونچے زلیخا تک — نکل کر چاہ کنعان سے ابھی رہنا ہے زندان میں

نہ دی حسرت نے حالی فرصت سیر جہان اکدم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیابان میں

اب وہ اگلا سا التفات نہیں — جسپہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں

مجھکو تم سے ہے اعتماد وفا — تم کو مجھسے پر التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ — زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن — فرصت غم کو بھی ثبات نہیں

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیان — سرسری دل کی واردات نہیں

ذرہ ذرہ ہے مظہر خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہین

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہین

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غم ہجران مین نہین — چاک دل مین ہے مرے جو کہ گریبان مین نہین
کھو دیا یاس نے ذوق خلش فکر وصال — اک مزا تھا سو وہ اب کاوش پنہان مین نہین
ہمنے کی سیر چمن غور سے اے بلبل زار — بات جچتی ہوئی کوئی گل و ریحان مین نہین
عشق نے مصر مین سو بار زلیخا سے کہا — فتنہ دہر ہے جو حسن وہ کنعان مین نہین
محتسب! صدق و صفا یان ہے انھین کے دم سے — مصلحت پر بھی صحبت رندان مین نہین
یان بھی ہے کون و مکان سے دل وحشی آزاد — جسکو ہم قید سمجھتے ہین وہ زندان مین نہین
ٹھیرتے ٹھیرتے دل یون ہی ٹھہر جائے گا — بات جو آج ہے وہ کل غم ہجران مین نہین
کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھون — خط مین لکھا ہے وہ القاب جو عنوان مین نہین
دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ — ایسے الجھاؤ ترے کاکل پیچان مین نہین
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائیے — اب بھی کہتے ہین کہ ہم غیر کے نقصان مین نہین
بیقراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شب ہجران مین نہین

حالی زار کو کہتے ہین کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مرد مسلمان مین نہین

غم فرقت ہی مین مرنا ہو تو دشوار نہین — شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہین ق
خوبروی کے لیے زشتی خو بھی ہے ضرور — سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہین
قول دینے مین تامل نہ قسم سے انکار — ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہین
کل خرابات مین اک گوشہ سے آتی تھی صدا — دل مین سب کچھ ہے مگر رخصت گفتار نہین
حق ہوا کس سے ادا اس کی وفاداری کا — جسکے نزدیک جفا باعث آزار نہین

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے [illegible] — کہہ دو [illegible] سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہو گئے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق
ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں — اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کچھ پتا منزل مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمیں طاقت رفتار نہیں
چشم بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ — غیرت عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام — شکر صد شکر کہ باہم کوئی تکرار نہیں
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا — دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا — ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپاتے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابل اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیال گل و یاسمن کہاں — لائی ہے بوئے انس نسیم چمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوق دید بھی — جائیگا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
اہل طریق جس کو سمجھتے ہیں زاد راہ — واں غول دستبرد کو لے راہزن کہاں
فصل خزاں کمین میں ہے صیاد گھات میں — مرغ چمن کو فرصت سیر چمن کہاں
لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرف آشنا — لیجائیے ہم کو دیکھیے ذوق سخن کہاں
جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب میں انہیں مگر — وہ آکے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں
دل ہو گیا ہے لذت غربت سے آشنا — اب ہم کہاں ہوائے نشاط وطن کہاں
کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے — شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے مجہ شوق کا دیوانہ پن کہاں

ق

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں — مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح — لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں — دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں
کہیں انجام آ پہنچا وفا کا — گھلا جاتا ہوں اب کے امتحاں میں
نیا ہے لیجیے جب نام اُس کا — بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا — اگر فرصت ملی مجھکو جہاں میں
بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ق

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو — مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
نہ چھیڑوں تذکرۂ وصلِ عدو کا — اگر سمعِ مبارک پر گراں ہو
تقاضائے محبت ہے وگرنہ — مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری — کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں — بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
کمر خوں پہ ہمارے باندھ رکھے — جسے سنّی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
دل اُسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ — خیر کفارۂ عصیاں ہے سبو اور پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہے یہ دل — وہ امیدیں ہیں نہ ارمان وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر — تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست — سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
تو وہی برقِ جہاں سوز ہے پر خواہ نخواہ — ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھڑاتے ہو
ناصحو اب مجھے دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

ہو گیا ذکر قیامت تو اجی حضرت واعظ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

جھکولے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ

پہونچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا
ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشت امید
آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
آج کل بیچیے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہونچے حرم تک کب کے
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اُس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

ص

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا
نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ

یہ طبل تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں
جنھیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ

دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

ہے افسردہ مجلس کی خست سے واعظ
وہ گرمائے گا یہ سمجھیں گے جب کچھ

تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت
ٹٹولو تو ہیچ اور دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ حیرت کا ہے شاید
یہ حالی کی غفلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی　　　نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت　　　جو چاہو کرین لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب مین کسی کے　　　نہین اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتسابِ شرافت　　　نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا مین دم بھر نہ بیٹھو　　　اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہان رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے　　　نہین لگتی کچھ اسمین دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا　　　مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا　　　مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
پھر اورون کی تکتے پھروگے سخاوت　　　بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہین دوست تم سے نہ ہوجائین بدظن　　　جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری مین عزت سے رہنا　　　نہ رکھو امیرون سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہین گویا　　　جو دولت سے کرتے ہین نفرت زیادہ
نہین چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے　　　خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم　　　پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا　　　مگر اسمین پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یان ہم زمانہ کے ہاتھون　　　پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندون مین آخر　　　نہین بس اب اے غفلت مہلت زیادہ

غزل مین وہ رنگت نہین تیری حالی
الاپین نہ بس آپ وحدت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ　　　مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ
وفا اغیار کی اغیار سے سن　　　مری الفت در و دیوار سے پوچھ　　　ق

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال — کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری — کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ
دلِ مہجور سے سن لذتِ وصل — نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق — ہماری چشمِ دریابار سے پوچھ
نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست — کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ
فریبِ وعدۂ دیدار کی قدر — شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ
فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل — یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم — وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ

متاعِ بے بہا ہے شعر حالی
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے انکی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی — وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ انکی مہربانی
پھر ہم کوئی آخر کب تک سنیں ملامت — ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی
عاشق کے دلکو ٹھنڈک تیری ہی آگ سے ہے — دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
امیدِ وصل سے ہی کچھ جی چھڑا سے دیتا — جو کچھ سنا ہے ہمنے مشاطہ کی زبانی
ہر حکم پر ہیں راضی ہر حال میں ہیں خوش — کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہمکو یہ بھی تو بڑھ کے دے — تھوڑی سی رہ گئی ہے کاہش نہانی
پھر یہ بنا ہے ہستی ہو تیرے بعد ویران — ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعفِ ناتوانی
دیکھا جمالِ جانان آنکھوں نے اور نہ دل نے — کیا جانے کس ادا سے کی اس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر بر نہ ہوگی حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ دیو سپہ باغ ہیں لیکن
بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انھیں نہیں گر دوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوئے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز
زمین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار
فقیہ و شیخ میں جو تھی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالی
مری جو قیمت تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بری اور بھلی سب گذر جائے گی
یہ کشتی یونہیں پار اتر جائے گی

ملے گا نہ گلچیں کو گل کا پتا
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر
یہ بازی تو سو بسوے ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ!
یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں
یونہیں عمر ساری گذر جائے گی

سنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا اللہ ہے گلچیں یا ہے قزاقی

کمال کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر ہے — یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جسکو مشائی نہ اشراقی
رہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر — گئے چین ہان سب چابکی و فرزانی و قچاقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہین رتبہ — لنڈھائی خم پہ خم غیرت پہ کیون مسک ہو گر ساقی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب دانی کا

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی — بزم مین اہل نظر بھی ہین تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق کی نہین کچھ رکھتے تمیز — اسمین شہری بھی ہین کوہی بھی ہین صحرائی بھی
آنکھ سب ایک سی کھلی رکھتے ہین اور ایک سی — اسمین مسلم بھی ہین ہندو بھی ہین عیسائی بھی
جو چھپاتے ہین حق اندیشۂ رسوائی سے — گھات مین انکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی ہو دوست ہے تو بھی لیکن — بھائی گر دوست نہین تو نہین کچھ بھائی بھی
اے غم دوست تجھی پر نہین اپنی گذران — کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
دل غنی رکھتے ہین ایسے دولت دنیا جو لوگ — تیور ان کے کبھی تو دیکھ کے شرائی بھی
عقل ہے اپنی حماقت کے چھپانے کو نہین — جنمین کچھ ساتھ حماقت کے ہے خود رائی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس ہو گواہ[۵۱] — ان کو خود رائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی
ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہمین جی بھر کر — فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم پہ رہے مردون سے بدتر حالی[۵۲]
دیکھ لی ہم نے طبیبون کی مسیحائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہد ریائی — بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
برائی ہے رندون مین بھی شیخ لیکن — کہان یہ برائی کہان وہ برائی
گناہون سے بچنے کی صورت نہین جب — عبادت مین کیون جان ناحق کھپائی

---

[۵۱] یعنی غم دنیا و غم ذات و فرزند وغیرہ ۱۲ [۵۲] اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

رکا ہاتھ جب بن سکے پارسا ہم — تو ہیں پارسائی پہ ہنستی نارسائی

بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے — سوا اسکے منعم میں ہو کیا بڑائی

جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی — خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی

ہوئی آ کے پیری میں قدر جوانی — سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی

وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت — وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی

جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح — وہاں دل پہ کھائی تھی یاں منہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دل زار تمنائی ہے — نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطع امید نے دل کر دیے یکسو لیکن — شکل حسرت میں یہ اس نے دکھلائی ہے

قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں — وقت جب آ کے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

ڈر نہیں غیر کا - جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے — ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے

نشہ میں چور ہوں جب تجھ میں نہ ہو تو آساں — پند یہ پیر خرابات نے فرمائی ہے

نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی — بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے — جس قدر رکھنی ملامت اور کو آسان ہے

سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار — آئے اس میدان میں تنہا اگر کچھ جان ہے

دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر — پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

عقل پہلی پر نہ سمجھی جس کو آدا انسان کی — لے مزا اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے

چھوٹوں میں نہ اتحاد اور بڑوں میں نہ اتفاق — آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے

تجھ میں جوت اے شمع ہے کس برق عالم سوز کی — جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہیں ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی — رہ گیا ہے اب اسے گبر و مسلمان باقی

بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اُسوقت — میزبان جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی

حق ادا اک نگہِ لطف کا ہوگا کیونکر — دِل و دین دے چکے اور ہے ابھی جان باقی

ظاہرا درد ہی اُلفت کا نہیں چارہ پذیر — ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجیے — نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجیے

وان رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار — اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجیے

ضبط کیجے درد دل تو ضبط کی طاقت نہیں — اور کھلا جاتا ہے رازِ دِل اگر اُف کیجیے

دوست کہتے ہیں کہ ہم ہر رنگ میں ہیں چاہتے — بے تکلف ملیے ہم سے یا تکلف کیجیے

جبکہ ہتھے مِل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول — شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجیے

وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے — چاہیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجیے

توبہ حضرت کی یہ نہیں اک دو گھڑی کا سا اُبال
ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجیے

فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی — جان کو ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی

جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم حیران — جن کی قسمت میں ہو کلفت اُنھیں راحت کیسی

جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا — وہ تو آفت تھی ہماری لیے الفت کیسی

بیٹھیے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں — قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی

عیب جوئی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ — جنکو کچھ کام نہیں یان انھیں فرصت کیسی
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا — وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جانتا ہے وہی۔ دل پہ ہے گذرتی جسکے — ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہم نے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک — ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنا ناصح — وحی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام
یار کی ہیں یہی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تھی آسانی مری — کفر سے بدتر مسلمانی مری
تھا نہ محتاج سبب عفو کریم — کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف — کم نہو شاید پریشانی مری
ہے لباس جسم تک مجھ پر گران — دور جا پہنچی ہے عریانی مری
مانع گلگشت ہے بیم خزان — موت کرتی ہے نگہبانی مری
شہر نعمت ہے بقدر انتظار — حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہے حالی مسلمانی مری

پردے بہت سے دل میں بھی درمیان رہے — شکوے وہ سب سنا کیے اور مہربان رہے
کیا کیا ہیں دل میں دیکھیے ارمان بھرے ہوئے — ہم میزبان نہیں جو کوئی میہمان رہے
حیران ہیں ہاتھ سے تو پا رشتہ امید — اب تک تو ہم یہاں ہیں بہت شادان رہے
پہنچی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی — اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گران رہے
دیر و حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا — اپنے رقیب آپ رہے ہم جہان رہے
دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے — گنج متاع عشق الٰہی گران رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب اس میں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے
بات اس کی کاٹتے رہے اور ہم زباں رہے

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہل وعظ
یا آپ بھی ملازم پیر مغاں رہے

وصل مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس
ڈوبے ہم آب خضر میں اور نیم جاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ
ہم مدعی سے کھٹک گئے اور وہ میہماں رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

ق

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعن وصل عدو
عذر ان کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی
غیر الفت بہت جتانے لگے

تم کو کرنا پڑے گا عذر جفا
ہم اگر درد دل سنانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے لوں رضائے پیر مغاں
قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سر باطن کو فاش کر یا رب
اہل ظاہر بہت ستانے لگے

وقت رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

حشر تک یان دل شکیبا چاہیے — کب ملین دلبر سے دیکھا چاہیے

ق ہے تجلی بھی نقاب روے یار — اُس کو کن آنکھون سے دیکھا چاہیے

غیر ممکن ہے نہو تاثیر غم — حال دل پھر اُس کو لکھا چاہیے

ہے دل افگارون کی دلداری ضرور — گر نہین اُلفت مدارا چاہیے

ہے کچھ اک باقی خلش امید کی — یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے

دوستون کی بھی نہو پروا جسے — بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے

بھا گئے ہین آپ کے انداز و ناز — کیجیے اغماض جتنا چاہیے

شیخ ہے ان کی نگہ جادو بھری — صحبت رندان سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالی رنجور کو
حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیے

جنون کار فرما ہوا چاہتا ہے — قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے

دم گریہ کس کا تصور ہے دل مین — کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے

خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے — ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو — وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہین دم جہان مین — اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہین رخصت — کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزون تر ہے کچھ ان دنون ذوق عصیان — در رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

قلق گر یہی ہے تو راز نہانی — کوئی دن مین رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرط الفت ہے لیکن کہان تک — دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اٹھاتا ہے دل تجھ سے ملکر — قلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے

غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم — سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

نہ واں پرسش نہ یاں تاب سخن ہے محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

عدو سے بات محفل میں نہ کرنی جو سچ پوچھو تو جائے سوءظن ہے

بہت دل ہیں ترے عاشق کو درکار تری جو بات ہے وہ دلشکن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد نہ ہیں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

کروں تجھ سے بیاں کچھ درد غربت مگر جوش سخن مُہر دہن ہے

رہے لاہور میں آ کر تو جانے یہی دنیا ہے جو دارالمحن ہے

نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے

یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے

نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلی نہ کچھ شیریں کو درد کوہکن ہے

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور تصور میں مرے اک انجمن ہے

مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم خموشی میں مری ذوق سخن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو؟ جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے

عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی مگر یاد عزیزاں راہزن ہے

نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام یہی گر جذبۂ مہر وطن ہے

سلہ یہ غزل تقریباً ۱۲۸۹ھ میں اسوقت لکھی تھی جبکہ اول ہی اول بتقریب ملازمت دلّی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت [illegible] آئی۔ اور وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا دور دورہ رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی اور سراسیمگی و غم اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۔

اگرین نظرون سے سب باتین پرانی　　مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی!　　یہ سب تم صاحبون کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اُس نے کہتے ہین سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس مین سخن ہے

دُھوم[1] تھی اپنی پارسائی کی　　کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیون بڑھاتے ہو اختلاط بہت　　ہم کو طاقت نہین جُدائی کی
مُنھ کہان تک چھپاؤ گے ہم سے　　تم کو عادت ہے خودنمائی کی
لاگ مین ہین لگاؤ کی باتین　　صلح مین چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیرون سے ہو ملو لیکن　　ہم سے باتین کرو صفائی کی
دل رہا پائے بندِ الفت دام　　تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو مین ہو تو یان کس سے　　رکھیے امیدِ دل ربائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے　　بو نہین آتی آشنائی کی
نہ ملا کوئی غارتِ ایمان　　رہ گئی شرم پارسائی کی
بخت ہمداستانیِ شیدا[2]　　تو نے آخر کو نارسائی کی
صحبتِ گاہ گاہیِ رشکی[3]　　تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے　　ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

[1] یہ غزل بھی لاہور مین اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے اشعار مین اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۱۲

[2] شیدا سے مراد منشی محمد کریم اللہ خان صاحب دہلوی ہین کہ اُس زمانہ مین کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[3] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲

ق کر دیا خوگرِ جفا تو نے | خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دُور پہونچی تھی اپنی آزادی | پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیون نہ آئین گے یان ہا ای ہمدم | بس سنا ہین نے اور کہا تو نے
گوش لب با تہ لائے تھے ہم آج | نہ کہا اور نہ کچھ سُنا تو نے
صبر کا ہے بہت بُرا انجام | ہم کو سمجھا ہو دل بُرا کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا | میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل | اور کھو یا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک | ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی مین کیا ہے جو بختو ایا آج
حالی اپنا کہا سُنا تو نے

ق کر کے بیمار دی دوا تو نے | جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا | اب لیا چشمہ بہتا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر مین تھا لگا | آ کے مسجد سے کیا لیا تو نے
دُور ہو اے دلِ مآل اندیش | کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ | کیا کیا چشمِ آشنا تو نے
دل و دین کھو کے آئے تھے سوئے دیر | یان بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امیدِ خلد پر حالی
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق دل کو درد آشنا کیا تو نے | درد دل کو دوا کیا تو نے
طبعِ انسان کو دی سرشتِ وفا | خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جانان محال ٹھہرایا | قتلِ عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں ۔ غم کو راحت فزا کیا تو نے
جان تھی اک وبال فرقت میں ۔ شوق کو جاں گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منتِ غیر ۔ جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی ۔ قطعہ ۱ ۔ درِ میخانہ وا کیا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند ۔ ۲ ۔ غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ ۔ عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی ۔ عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدر کو مہرِ پسر ۔ اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش ۔ بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذتِ درد ۔ درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب ۔ سعی کو نارسا کیا تو نے
پردۂ چشم تھے حجاب بہت ۔ حسن کو خودنما کیا تو نے
عشق کو تاب انتظار نہ تھی ۔ غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دیر خراب ۔ جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھے احباب ۔ ہم کو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب ۔ کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

۱؎ اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۱۲

رباعیات

توحید

کانٹا ہی ہر اک جگر مین اٹکا تیرا　　حلقہ ہے ہر اک گوش مین لٹکا تیرا
مانا نہین جس نے تجھکو جانا ہو ضرور　　بھٹکے ہوے دل مین بھی ہو کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا　　آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان مین ہو جب جہاز چکر کھاتا　　جب قافلہ وادی مین ہو سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہو جب اُٹھ جاتا　　وان تیرے سوا کوئی نہین یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہین گھیر تیری قدرت کے ظہور　　منکر بھی پکار اُٹھتے ہین تجھکو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ　　خورشید کا نقش جب مین چھپا جب نور

توحید

جب یاس سی دلوں پہ چھا جاتی ہے　　دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سیکھ ہیں بھول جائیں اطفال　　لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے، ہوا سے، آتش و آب سے یاں　　کیا کیا نہ ہوے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک　　گنجینۂ غیب میں اسی طرح نہاں

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لیے　　طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لیے
ہیں تیرے سوا سہارے سب کمزور　　سب اپنے لیے ہیں اور تو سب کے لیے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد　　دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے　　رہتے ہیں ہر اک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا　　عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کی ساجھی کوئی　　توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

دنیا سے عرب کو محترم تو نے کیا　　اور امیوں کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار　　تجھ سے [illegible] تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف　　یثرب کو ہوا تیری وفات سے شرف

یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بہ نسبت اسکے جو خزانۂ غیب میں مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲

اولاد ہی کو نخست نہیں کچھ تجھ سے	آبا کو بھی ہے تیری اتو سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں	شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا	وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی	بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہمکو چھوڑا	ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح	ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل انکے ہیں ظرف انکے، جو کرتے ہیں پیر	ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت	ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص	نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان	پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہیئے اب کیا ہے صلاح	فرمایا کہ بھائی جان ہے تو جہان

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا	یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ اتنی ہے خبر	اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند	اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند

کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں — ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تا زیست وہ محو نقش موہوم رہے — جو طالب دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے — صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پہ نہ جوانو مفتون — گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون
خود عہد شباب ہے اک جنون ہو اب تم — کرتے ہو فزون جنون پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور — پر عیب سے بچیے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو — گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم — ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار — بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

دم دعوی اور قدم عمل ۱۲

شرط قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں — پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر — عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگین

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہل عرفان و یقین — پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں نادان کہیں
منگتے کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی — اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر — آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر

عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا پیر مغان نے ہنسکر
باقی نہ رہیگا کوئی انسان میں عیب ہوجائینگے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

مسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہوسکتی ہے

اک نفس مسرف نے عابد سے کہا کر میرے لیے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ محتاج کر اس کو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

یان رہنے کی مہلت کوئی اک یا باہم آتا ہو اگر آج تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام ان کو جلدی نپٹاؤ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلی مرض ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لیے تھے کام کیے دیکھا تو نہاں انہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اسکی باری بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل افسردہ خاطر پایا پوچھا باعث تو ہنس کے فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دنیا سے دنی کو نقش فانی سمجھو روداد جہاں کو اک کہانی سمجھو

پھر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

آثارِ زوال

آبا کو زمین و ملک پہ اطمینان
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بیکار جوان
ہیں اپنے گھرانے کو کوئی دن کے مہمان

نشانِ ادبار

صحرا میں جب آیا ایک چٹیل میدان
برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان
یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا
شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ ہو دل میں نفاق
آسان نہیں مقبول خلائق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخوان پکا
ہوتا نہیں مومن کا ایمان پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکر و ریا

حالی وہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا
خطرہ انھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان
پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ
ہیں طوسی و رازی انھیں شکلوں میں نہان

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال
غائب ہوا تو جہاں سے واں آیا زوال

اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح　　جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

علم

اے علم کلید گنج شادی تو ہے　　سرچشمۂ نعما و ایادی تو ہے
آسایش دو جہان ہے سایہ میں تیرے　　دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھسے جہاں جیسی مغرب کی زمین　　مشرق کو وہ فیض تجھسے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہ نخشب کی طرح　　رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت سے　　عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی　　پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھسے ہے عزت ہی جہاں　　فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیان　　میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

توقع بیجا

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں　　ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث　　جو نوع بشر کی خو جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی　　اتنی ہی مغائرت ہے یہاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل　　ضد ہیں ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے　　ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش دوستا پاتا ہون مین ۔ کہتا ہون کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

عیش و عشرت

اے عیش و طرب تونے جہان تاراج کیا ۔ سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا
ویران کیا تونے نینوا و بابل ۔ بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت مین ۔ بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت مین
اورون کی برائی ہے یہان فخر وہان ۔ خوبی کوئی باقی نہین جس اُمّت مین

عشق

اے عشق کیا تونے گھرانون کو تباہ ۔ پیرون کو خرفت اور جوانون کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی مین تیری ۔ قومون کو ذلیل ۔ خاندانون کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم ۔ سمجھو کہ وہان ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت ۔ یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم ۔ دنیا نے کمر دین کی تھامی جس دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دنیا ۔ دنیا کے بھی احسان نہین دین پہ کم

آزادگان راستباز کی تکفیر

یارون مین نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ ۔ کافر کہا واعظ نے انھین اور گمراہ
جھوٹے کو نہین ملتی شہادت جب[1] ۔ لاتا ہے خدا کو اپنے دعوی پہ گواہ

---

[1] یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزین ہین جنکا علم خدا کے سوا اور کسیکو نہین ہوسکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضون نے صدیق کہا ہے اور بعضون نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہین جانتا پس جس شخص مین کوئی صریحی اخلاقی برائی پائیجائے موجود نہو اسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوی پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظم جہاں کا ہے مدار ۔ اُس قوم کا جینا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ۔ ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

عفو باوجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا ۔ مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے ۔ جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو کیجے تسکین ۔ زہر اُسکے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے ۔ اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار ۔ دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سر بام لیکے پہونچا تو کہا ۔ مشکل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار ۔ دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور ۔ جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا ۔ ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جانا ہمنے ۔ دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف بر وفات نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم نیر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طناز ۔ آتے ہی خزاں کے کرگئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اک بلبل زار
سو اُس کی بھی گل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالبؔ ہے نہ شیفتہ نہ نیّر باقی
وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی
حالیؔ اب اسی کو بزم یاراں سمجھو
یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں جہاں ہر اک دامن میں
محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر مخزن میں
موتی نہیں کوئی نہ قوم کی چھپائی
جس تک نہ چراغیں بکریاں عدن میں

گدائی کی رغبت

اک مرد توانا کو جو سائل پایا
کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اُن کا اُن کی گردن پہ وبال
دے دے کے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین
سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور یہ ہوگا مرقد میں سوال
تکفیر کبھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سوگواری سن لو
کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس و کوہکن یاد نہیں
چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سن لو

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

ل یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انسان سے — پھر چاہیے مانگنی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا — پائی نہ نجات نوح نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلیے — بنتی نہیں زندگی میں بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندوں کی طرح — مُردوں کی طرح جیے تو کیا خاک جیے

جھوٹی نمایش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے — بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جنکی جیبوں میں مدام — اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جس کی ہزار — بڑھتی نہو عیب اسمیں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر — کر حسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ — خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت — معلوم ہے ہمکو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر — کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں وہ — کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

---

۱ یعنے جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۲

دہری کا الزام گورپرست پر

اک گورپرست نے یہ دہری سے کہا ہے ناشکرا کوئی جہان میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا شکر اس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا

دانا کا حال ناداناؤں میں

کیا فرق ہے سامعہ شور جب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہو اجنبی مسافر جیسے دانا کا یہی حال ہے ناداناؤں میں

ریفارم کی حد

دھونے کی ہے اے ریفارمر جا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پر اتنا نہ رگڑ دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر پھول جانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں نادان اکثر داناؤں کے لیکن نہیں پھرتے تیور
ہوتے ہیں اسے ناداں ہی سن کر خوش مقصود ہے جنکو بس ستائش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکتا ہے اسمیں کوئی شاید کچھ کھوٹ پر اسکو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
پر دہری سے بگڑے اپنے پیارے اور مفت میں ہو گیا ہے سچا بدنام

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید باندھ لو زاد سفر موقع ہے ابھی جبکہ ہے گذشتنی کی عمر

گاہک چوکس ہیں بیچلو مال کھرا ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان ممکن ہے بدی کا نہ رہے اسمین نشان
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے انسان ہے اب تک وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند برا ہے عشق کا سب کے مآل پر عشق ہے بادشاہون کو خصوصاً وبال
سلطان ہے اگر ظل الٰہی تو عشق ہے ظل الٰہی کے لیے وقت زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پر تجھ سے بگڑنے کا نہین ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہین پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے مین موت کے لیے ہشیار رہنا چاہیے

کی طاعت نفس مین بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی مین خبر
کیفیت شب اٹھا چکو اب حالی مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

دولت مین ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈرتے ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک ہے جوہر انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی غصہ آتا ہے وہین جبتک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قرین
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہون آزردہ کہ تو تو ہی نہین

سفہا کی مدح و ذم

کرتے ہین سفیہ اگر مذمت تیری کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری

پہ مدح کرین وہ گر نصیب اعدا
رکھ یاد کہ اچھی نہین حالت تیری

مرض پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم
پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہے وہ چیز جسکا پانا ہے محال
آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق ہین کانٹے بوئین
نعمت خدا کی رائگان یون کھوئین
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسین بہتر ہے
اس سے کہ فضولیون پہ اُن کی روئین

ردّ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب
زیبا نہین سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار ایسی دون ہمت
سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہین دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہین ہمین
جو دیکھے کبھی چکھے کبھی دلسے بھائے ہین ہمین
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک
جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہین ہمین

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہین جلد مال و دولت کا خیال
مہمان کوئی دن کے ہین دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھون کو برا سننے مین بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہین وہ مدح و ثنا کی پروا
جو کرکے بھلا خلق سے سنتے ہین برا
ان گالیون کا ہے جنکو چسکا حالی
آتا نہین اُن کو کچھ دعاؤن مین مزا

شکریہ مدح کلام راقم[۱]

جوش خم بادہ جام خالی مین ہوا — پھر ولولہ پیدا دل حالی مین ہوا
تسلیم نے دی کچھ اسطرح داد سخن — مجکو بھی شک اپنی بے کمالی مین ہوا

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تمکو — تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نکرو
کرتے ہو اگر احسان تو کرو اُسے عام — اتنا کہ جہان مین کوئی ممنون نہو

قانون بداخلاقی سے مانع نہین ہوتے

قانون ہین بیشتر یقینا بیکار — حاشا کہ ہوں اُن پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہین انکو نہین حاجت اُنکی — اور بد نہین بنتے نیک اُن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہین

حق بول کے اہل شر سے اڑنا کہ نہین — بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کین
گر چاہتے ہو کہ چپ رہین اہل خلاف — جز ترک جواب کوئی تدبیر نہین

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہین ٹل — اک وقت سے اپنے تو نہین ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہون نہ ایسا ہون مین — اور جیسا سمجھتا ہون نہ ویسا ہون مین
اپنے سے بھی عیب ہون چھپاتا اپنے — بس مجکو ہی معلوم ہے جیسا ہون مین

۱؎ مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم ہے پور متخلص تسلیم نے چند قطعے اُردو فارسی کے راقم کے کلام کی ستایش مین اسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہین ہوا تھا۔ اُن قطعون کے جواب مین یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۲

بڑھاپے مین عاشقی کا دم بھرنا

آہین پیری مین شیخ ابھرتے نہین یون　　دل دیتے ہین پر جی سے گذرتے نہین یون
تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا　　جو جیتے ہین اس طرح وہ مرتے نہین یون

واعظون کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام　　واعظ نے درشتی سے کیا اُس سے کلام
بولا کہ حضور مقتدا ہون جس کے　　ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقارالامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان مین

توفیق[1] نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی　　اقبال پہ جس نے تم سے بازی پائی
حالی لے جائے کون بازی ان سے　　ہے جن کی رگون مین خون آصفجاہی

[1] یہ رباعی ۱۳۱۲ھ مین جبکہ راقم حیدرآباد مین مقیم تھا اور نواب وقار الملک مبلی سے پولو مین بازی جیت کر آئے تھے لکھی تھی مگر اُنکی خدمت مین بھیجی نہین گئی خون آصفجاہی مین اس بات کا اشارہ ہی کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہین اور اقبال کے لفظ مین اُنکے خطاب کی طرف اشارہ ہی ۱۲

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خو کہ ہو ہنر کی عادت
مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا
عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز و شب روئینگے
جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ وفا پہ جاں نثاری پہ مری
آگے نہیں روتے تھے تو اب روئینگے

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے
اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ جب بغیر یاں ایک گھڑی
یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاد اسکی یہاں ورد مدام اپنا ہے
خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کسطرح نہ لیجیے کہ ہے نام اس کا
کسطرح نہ لیجیے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ
تنہا تھے پہ عدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعت یزید گمراہ!!!
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حر کہتا تھا اے دل شہ ذیجاہ سے مل
گمرہ نہ ہو رہبر حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک
اللہ سے ملتا ہے تو مل شاہ سے مل

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا
اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحر غفلت کی یزید
واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے۔ ترکیب بند۔ مسدس۔ اور چند قطعے
مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱ قصیدہ نعتیہ [1]

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دوجہاں کے لیے — سخن زبان کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں — عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لیے

وہ شاہ جسکا محب امن و عافیت میں مدام — محبت اسکی حصارِ حصین اماں کے لیے

وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم — رہا نہ تفرقہ روز و شبِ زماں کے لیے

وہ پھول جس سے ہوئی سعیِ باغباں مشکور — رہی نہ آمد و رفت چمن خزاں کے لیے

ہلال مکہ کا، ماہِ دو ہفتہ یثرب کا — فروغ قوم کے، اور شمع دودماں کے لیے

گھر اس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریل — در اس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لیے

سپہر گرمِ طواف اس کی بارگاہ کے گرد — زمیں سر بسجود اسکے آستاں کے لیے

وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف — رضاے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لیے

وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر — کشایشِ گرہِ کینِ دشمناں کے لیے

گہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے — گہ انکسار مدارات میہماں کے لیے

کہیں ہلاک ہیں تاخیرِ قوم سرکش کے — کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لیے

---

[1] یہ قصیدہ ۱۲۸۱ھ کا لکھا ہوا ہے اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا اسکو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲

صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بداندیش و بدگمان کے لیے

کہین مقدمۃ الجیش انبیا و رسل
کہین وہ خاتمۃ الباب داستان کے لیے

مدینہ مرجع و ماوائے اہل مکہ ہوا
مکین سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکان کے لیے

اسی شریعت کے طلبگار تھے کلیم و مسیح
نوید امت پیغمبر زمان کے لیے

بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر
ہوا وہ قافلہ سالار کاروان کے لیے

شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
بشارت امت عاصی و ناتوان کے لیے

شفاعت نبوی ہے وہ برق عصیان سوز
کہ حکم خس ہے جہان کفر دو جہان کے لیے

خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
گنہ کرین تو کرین رخصت انس و جان کے لیے

اسی کا دین ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزان کے لیے

عبور بحر عصیان سے کس طرح ہو۔ اگر
وہ ناخدا نہو اس بحر بیکران کے لیے

مریض حرص و ہوا پائے کب شفا جبتک
وہ چارہ گر نہو اس درد جانستان کے لیے

نہ حرف و صوت مین وسعت نہ کام و لب مین سکت
حقیقت شب معراج کے بیان کے لیے

ارادہ عرش تلک اک آن مین پہونچنے کا
کیا تھا عزم اُولوالعزم نے کہان کے لیے

کرم کا دیکھیے دامن کہان تلک ہے فراخ
ہو میزبان خدا جب کہ میہمان کے لیے

زمین پہ ٹھہرا ہے ماوا ہی شاہ عرش نشین
رہی نہ اب کوئی فوقیت آسمان کے لیے

اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد
محک ہے حب نبی دل کے امتحان کے لیے

اگر نصیب ہو یثرب مین جا کے شربت مرگ
پیون نہ آب بقا عمر جاودان کے لیے

اگر بقیع مین گز بھر زمین میسر آئے
کرون نہ طول امل روضۂ جنان کے لیے

سمایا اس کا جو نقش قدم تصور مین
ہجوم شوق مین بوسے کہان کہان کے لیے

حریف نعت پیمبر نہین سخن حالی
کہان سے لائے اعجاز اس بیان کے لیے

نبی کا نام ہو ورد زبان رہے جب تک
سخن زبان کیلیے اور زبان دہان کے لیے

۳- ترکیب بند مرثیہ ۱۲۸۵ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خان مرحوم دہلوی متخلص غالب

کیا کہوں حال درد پنہانی — وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد — دیکھ کر رنگ عالم فانی
کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال — گوشۂ فقر و بزم سلطانی
ہے سراسر فریب وہم و گمان — تاج فغفور و تخت خاقانی
بے حقیقت ہے شکل موج سراب — جام جمشید و راح ریحانی
لفظ مہمل ہے نطق اعرابی — حرف باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے لحن داؤدی — اک تماشا ہے حسن کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لب خشک — چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشت خاک کے بدلے — گر ملے خاتم سلیمانی

بحر ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی — اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر — تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ — ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی
ہے وہ بے مہر کہہ اسکی — صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ وصل سے محروم — جسکو طاقت ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظ وضع سے مایوس — جسکو عادت ہو گدائی کی

خندۂ گل سے بے بقا تر ہے | شان ہو جس مین دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے | خوبیان جسمین ہون خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس | آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

بلبل ہند مر گیا ہیہات | جسکی تھی بات بات مین اک بات
نکتہ دان نکتہ سنج نکتہ شناس | پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج | رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھول | سو تکلف اور اسکی سیدھی بات
دل مین چبھتا تھا وہ اگر مثل | دلکو لگتا تھا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا | قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھین تو دلی مین اسکی باتین تھین | لیچلین اب وطن کو کیا سوغات
اسکے مرنے سے مر گئی دلی | خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یان اگر بزم تھی تو اس کی بزم | یان اگر ذات تھی تو اسکی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا | شہر مین اک چراغ تھا نہ رہا
دل کو باتین جب اسکی یاد آئین | کسکی باتون سے دل کو بہلائین
کسکو جا کر سنائین شعر و غزل | کس سے داد سخنوری پائین
مرثیہ اس کا لکھتے ہین احباب | کس سے اصلاح لین کدھر جائین
پست مضمون ہے نوحۂ استاد | کس طرح آسمان پہ پہونچائین
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہین | اہل میت جنازہ ٹھہرائین
لائینگے پھر کہان سے غالب کو | سوئے مدفن ابھی نہ لیجائین

اسکو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح | اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم | لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں
ہمنے سب کا کلام دیکھا ہے | ہے ادب شرط منھ نہ کھلوائیں

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت | نظم غنج و دلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر | تعزیت اک ملال کی صورت
قال اُس کا وہ آئینہ جس میں | نظر آتی تھی حال کی صورت
اس کی توجیہ سے پکڑتی تھی | شکل امکاں محال کی صورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی | رنگ ہجران وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا | سخن اُس کا مآل کی صورت
چشم دوراں سے آج چھپتی ہے | انوری و کمال کی صورت
لوح امکاں سے آج مٹتی ہے | علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے | غالبِ بے مثال کی صورت

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائینگے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج | اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازش خلق کا محل نہ رہا | رحلتِ فخر روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگین طبع | رخصتِ موسم بہار ہے آج
بار احباب جو اُٹھاتا تھا | دوش احباب پہ سوار ہے آج
تھی ہر اک بات نیشتر جس کی | اُسکی چپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مدت سے تھی خلش جس کی — وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

دل مضطر کو کون دے تسکین — ماتم یار غمگسار ہے آج

تلخی غم کہی نہیں جاتی — جان شیریں بھی ناگوار ہے آج

کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر — ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد

کس سے خالی ہوا جہان آباد

نقد معنی کا گنجدان نہ رہا — خوان مضمون کا میزبان نہ رہا

ساتھ اس کے گئی بہار سخن — اب کچھ اندیشہ خزان نہ رہا

ہوا ایک ایک کاروان سالار — کوئی سالار کاروان نہ رہا

رونق حسن تھا بیان اس کا — گرم بازار گلرخان نہ رہا

عشق کا نام اس سے روشن تھا — قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا

ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں — گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا

اہل ہند اب کرینگے کس پہ ناز — رشک شیراز و اصفہان نہ رہا

زندہ کیونکر رہے گا نام ملوک — بادشاہوں کا مدح خوان نہ رہا

کوئی ویسا نظر نہیں آتا — وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا

اٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن

کس کو ٹھہرائیں اب مدار سخن

کیا ہے جنمیں وہ مرد کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا

شاعری کا کیا حق اس نے ادا — پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا

بے صلہ مدح و شعر بے تحسین — سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا

نذر سائل تھی جان تک لیکن — قطعہ — درخور ہمت اقتدار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہوا ۔ قطعہ ۲ ۔ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی ۔ سر بلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا ۔ دل مین اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے ۔ زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا
ایسے پیدا کہان ہین مستِ خراب ۔ ہمنے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہرِ شانِ حسنِ فطرت تھا
معنیٔ لفظ آدمیت تھا

کچھ نہین فرق باغ و زندان مین ۔ آج بلبل نہین گلستان مین
شہر سارا بنا ہے بیت حزن ۔ ایک یوسف نہین جو کنعان مین
ملک یکسر ہوا ہے بے آئین ۔ اک فلاطون نہین جو یونان مین
ختم تھی اک زبان پہ شیرینی ۔ ڈھونڈتے کیا ہو سیب و رمان مین
حصر تھی اک بیان مین نگینی ۔ کیا دھرا ہے عقیق و مرجان مین
لب جادو بیان ہوا خاموش ۔ گوش گل وا ہے کیون گلستان مین
گوش معنی شنو ہوا بیکار ۔ مرغ کیون نعرہ زن ہے بستان مین
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی ۔ شمع جلتی ہے کیون شبستان مین
نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر ۔ سُرمہ بنتا ہے کیون صفاہان مین

ماہ کامل مین آگئی ظلمت
آب حیوان پہ چھا گئی ظلمت

ہند مین نام پائیگا اب کون ۔ سکّہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہمنے جانی ہے اس سے قدر سلف ۔ اُن پہ ایمان لائیگا اب کون
اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے ۔ اسکو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش — وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون

اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے — جا کے دلی سے آئیگا اب کون

مر گیا قدردانِ فہمِ سخن — شعر ہم کو سنائیگا اب کون

مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام — ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون

تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک — ہم کو چالیں بتائیگا اب کون

شعر میں نا تمام ہے حالی — غزل اس کی بنائیگا اب کون

کُلُّنَا فِیہِ مِن بُکَاءٍ وَ عَوِیلٍ — رَحِمَتَا بِسَعِ الزَّمَانِ الطَّوِیلِ

۳۔ قصیدۂ نعتیہ

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور — مجھ سے اٹھیں گے اُٹھنے ناز ضرور

خاک ہوں اور عرش پہ ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غیور

خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

سلہ اس قصیدہ کی تمہید ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ کے خیالات میں سے ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا تھا مومن۔ ذوق۔ آزردہ۔ غالب۔ اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہیں دنوں میں سیتارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا مصرع طرح پر غزلیں بڑے دھوم سے لکھیں جن دوستوں کی جا بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے۔ بس اپنے خریدار کی بے اتفاقی سے شاید ایسی کساد نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جنکو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی تمہید لکھی گئی تھی مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۔

نہ گنو اہلِ عصر میں مجھکو		میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
چشمۂ آبِ خضر کی مانند		چشمِ اہلِ جہان سے ہوں مستور
دل سے داد اپنی لےچکا ہوں بہت		مجھکو پروا نہیں کہ ہوں مشہور
مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات		جسکو بکنا ہو مفت یاں منظور
جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱		ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
کبک و قمری کو رخصتِ پرواز ۲		بال و پر مفتِ صعوہ و عصفور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں		اس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور
لذتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ		اُس کو کیا قدرِ خوشۂ انگور
جسکے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے		روز روشن ہے یا شبِ دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر		اُٹھ گیا اب جہان سے یہ دستور
دردِ دل کا بیان کروں کس سے		بات کوئی نہیں سنے منظور
سخنِ حق کی داد لوں کس سے		سن چکا ہوں فسانۂ منصور
دلِ آباد مفتِ بےہنران		ہو چکا خانۂ ہنر مغمور
مژدہ خسرو کو وصلِ شیریں کا		ہو چکی سعیِ کوہکن مشکور
ہمنے دیکھی تمیزِ اہلِ نظر		ہمنے دیکھا مذاقِ اہلِ شعور
ہے غرض ان کو صوت موزون سے		نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہو کسی شے سے ان کی گرمیِ بزم		داستان ہو وہ یا کہ درسِ زبور
ہے فقط روشنی سے ان کو کام		موم ہو اصلِ شمع یا کافور
ہے یہاں قائل اتنا مردود		ہو وہ فرعونِ وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ		دلِ احباب گو نہ ہو مسرور
یاں اگر کام ہے تو شیریں سے		قصرِ خسرو کے اور ہیں مزدور

دل احباب پر نہین چلتا سحر میرا کہ ہو غیر سے دور
ہون تماشائے شہر نابینا ہے برابر مرا خفا و ظہور
در یکتا ہون اور ہون بے آب ماہ کامل ہون اور ہون بے نور
چشمہ پیدا و کاروان تشنہ بادہ پُرزور و انجمن مخمور
اس زمانے مین ہم غریب ہوئین جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحب قدر و جاہ ہے جبتک کارفرما ہے چین مین فغفور
کاش اس عہد مین مجھے پاتے قطب اسحٰق جب کہ قبلۂ جمہور
کاش وان دیکھتے مجھے کہ جہان متنبی تھا مادحِ کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہون کیا چیز انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار مر گیا عندلیب نیشاپور[1]
جس سے ہوتا ہے خستہ سینہ بہوش ہے زبان میری وہ دم ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ ہے مری شمع مین وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کرون تحریر تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترک عشق بتان کرین عشاق مجھ سے سن پائین گر ستایش حور
گر کرون ذکر لذت طاعات تلخ کر دون مذاق فسق و فجور
چھیڑ دون گر فسانۂ فرہاد دل خسرو مین ڈالدون ناسور
کرنے جاؤن جو حق سے عذر گناہ لے کے آؤن نوید عفو قصور
لون ملک سے داد حسن کلام گر لکھون نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ امتی جس کا یان گنہگار اور وان مغفور

[1] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزین نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویان ہند غنیمت ست ۱۲

وہ خداوند خدمتی جس کا / یاں سبکبار اور واں ماجور
مژدہ اے امت ضعیف کہ یاں / سعی ہوتی ہے بے کیے مشکور
لب شیرین کلام سے اس کے / دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
اثر فیض عام سے اس کے / کعبہ آباد و بتکدہ معمور
چرخ کو دے اگر وہ حلم و سکون / ہو غلط نسخۂ سنین و شہور
صرصر قہر گر چلے اس کی / بند ہو مسلک صبا و دبور
جس طرف ہو وہ گرم نظارہ / جلوہ گر ہو ادھر سے لمعۂ طور
ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن / موجزن ہو وہاں سے چشمۂ نور
بات پوچھو تو سوے چرخ نگاہ / سینہ دیکھو تو علم کا گنجور
ہو سکے اس کی خوبیوں کا شمار / نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور
اے ترا پایہ فہم سے برتر / اے ترا نام عرش پر مسطور
میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں / نام تیرا شفیع روز نشور
کچھ نہیں زاد راہ پاس اپنے / مگر امید عفو رب غفور
طبع غالب ہے اور میں مغلوب / نفس قاہر ہے اور میں مقہور
بحر غفلت میں ہوں سراسر غرق / نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور
چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن / ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور
مہر فرزند و خواہش زر و سیم / طمع جاہ و فکر عیش و سرور
ایک بیمار اور سو آزار / ایک رنجور اور سو ناسور
نفس امارہ اور یہ مزید / یہ ہے افعی تو وہ ہے کلب عقور
مجھ سے جو کام چاہیے سو لیجے / جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
حسد و بغض و غیبت و بہتان / بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

ایک بھی مجھ سے بن نہیں آتی ہے وہ خدمت کہ جسپہ ہوں مامور
دل لگے بندگی میں کیا امکان لب سے ہے ذکرِ حق میں کیا مذکور
نہ یہ عقل ہے نہ شورِ جنون دل بیتاب ہے نہ جانِ صبور
نہ معاصی میں تلخیٔ خجلت نہ عبادت میں چاشنیِ حضور
فی المثل ہے مری مسلمانی جیسے زنگی کا نام ہو کافور
ہان مگر کچھ امید بندھتی ہے تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کاروان میں جا پہونچا پھر رہا اب جنان کتنی دور؟
دوری آستان والا سے ہے بہت تنگ حالیِ مہجور
لب دعا پر ہے اے شفیعِ اُمم بسکہ بیتاب ہے دل رنجور
جا لگے تیرے در پہ کشتیِ عمر جب کرین بحرِ زندگی سے عبور
جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

قصیدۂ مدحیہ ناتمام [سلہ]

نواب کلب علی خان مرحوم رئیس رامپور کی شان میں

ظلِ حق کلب علیخان جسکے بذل و جود کے ہند سے لے تا عرب ہین خاصی و عامی گواہ
صاحبِ علم و عمل اور تابعِ احکامِ دین زائرِ قبرِ نبی اور حاجیِ بیت الہدی

سلہ یہ قصیدہ سنہ ۱۲۹۱ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نواب ممدوح علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لیے مدرسہ کے اخراجات کے واسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے مگر افسوس کہ ان کی خدمت میں بھیجا نہین گیا اور اسی لیے ناتمام رہا۔ اسکے اول و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہو گئے ہین ۱۲

شاعری میں فردِ موسیقی میں فارابیِ عصر — صوت روح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا

دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق — دولتِ عثمانیہ کو اس سے پیوندِ ولا

اسکی ہیبت سے لرزتے ہیں مقرب اور جلیس — اور مروت پہ ہیں نازاں مجرم و اہلِ خطا

قطعہ

۱ مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اس کا بابِ فیض — یہ وہ دعویٰ ہے کہ خود دربار ہے اس کا گوا

۲ گل نہیں ہند میں سے جو درخت باردار — اُن کو چُن چُن کر یہاں لایا چمن بندِ سخا

۳ گر مناظر ہیں تو ہیں سر دفترِ اہلِ کلام — اور محدث ہیں تو ہیں سرچشمۂ علم و ہدیٰ

۴ زمرۂ اہلِ یقین یا مجمعِ اہلِ سلوک — نکتہ چینانِ محیطی خردہ گیرانِ شفا

۵ شاعرِ شیرین نفس یا شاطرِ سنجیدہ رائے — فیلسوفِ مستدل یا عارفِ علت ربا

۶ بے بدل ہے الغرض جو رتبے ہیں اس انجمن — بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگین ادا

بہرہ ور ہیں فیض سے تیرے بلادِ دور دست — اے خوشا وہ سرزمین جس پر ہو تو فرمان روا

بارِ محصولات سے یاں تک نہیں ہلکی کہ اب — بارِ منت سے ترے پشتِ رعیت ہے دوتا

خیر تیری ہے حصارِ عافیت تیرے لیے — سیر ہو کر تجھ کو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا

نعمتیں حق کی بٹیں گی سیٹی زینہار — ہر بھلائی کی ملی وہ چند گر تجھکو جزا

خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانوں کا ہجوم — نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا

ہے یقیں تجھ پر پڑے اصحابِ محشر کی نگاہ — جب کہیں کس نے کیا حق میزبانی کا ادا

دولت و اقبال روز افزوں سے تیری ہیں عیاں — جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہے خدا

پرورش پاتی تھی جنکے سایۂ دولت میں قوم — لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا

کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر — ہند میں اب تکیہ گاہِ امتِ خیر الوریٰ

یہ اگر بنتے نہ کشتیاں اس طوفان میں — کشتیِ اسلام تھی منجدھار میں بے ناخدا

رہ گئی تیری ہی [illegible] سے شرمِ اہلِ فضل — ورنہ اُنکی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا

مل گئے تجھ کو جواہر شرافت خاک میں — خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا

ہو رہے تھے وہ وہاں علم و دولت جاں بلب — تو نے ایک اک کو چوایا حلق میں آبِ بقا

کول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم — آبیاری سے ہے تیری ہو اُسے نشو و نما

ہے یہ وہ احسان جسکے بارِ منت سے کبھی — قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے ریب و ریا

تیرے ظلِ تربیت میں گر رہا یہ نونہال — ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اسکی طوبیٰ سے سوا

فرض اگر کیجیے اُسے دیوارِ کاخِ آرزو — تو وہ پشتیبان ہے جس سے اسکی قائم ہے بِنا

اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد — تو ہے اُس پر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵- قصیدۂ ناتمام مرقومہ ۱۲۹۲ھ

سر سید احمد خان دام اقبالہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے — جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے

ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم — خود سانپ یہاں سے کب کا نکل گیا ہے

اِس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر ہم کو — دینوں میں دینِ بیضا حق نے تمھیں دیا ہے

قبلہ ہے وہ تمھارا جو گھر ہے سب سے پہلا — ہادی ہے وہ تمھارا جو ختمِ انبیا ہے

دی ہے وہ مصلحِ کل حق نے کتاب تم کو — جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے

بخشی تمھیں حکومت حکمت تمھیں عطا کی — دوران سدا موافق تم سے یونہیں رہا ہے

اس دورِ آخری میں جب بن بگڑ چلے تم — اک ہاشمی تمھارا مصلح کھڑا کیا ہے

سر سبز چاہتا ہے جو قوم کو جہان میں — فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے

وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا — یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے

وار اس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے — قوم اُس سے بدگمان ہے اور وہ قوم پر فدا ہے

۱؎ یہ قصیدہ اسوقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سرسید کا کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے مگر بسبب مکروہات دنیوی کے پورا نہو سکا ۱۲

ہمدردِ قوم ایسا ہمنے سُنا نہ دیکھا — یہ درد اُس کو جد کی میراث مین ملا ہی
تعلیم کی تمھاری بنیاد اُس نے ڈالی — ملکون مین جس کا چرچا ہرست ہو رہا ہی
بعد از قرونِ اولی کس نے کیا بتاؤ — سید نے کام آ کر جو قوم مین کیا ہی

۶۔ قطعہ مرثیہ سنہ ۱۳۰۳ھ

مرثیہ یعنی برادرِ راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ مین بھائی کے اُسے دیکھ کے چپ چاپ — حالی سے کہا ہمنے کہ اے سحر بیانی
خاموش کبھی ہمنے تجھے یون نہین دیکھا — کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی مین تری تہنیتین ہمنے سُنی ہین — ماتم مین کبھی دیکھی ہو تیری مرثیہ خوانی
ہنستا ہے نہ روتا ہو نہ بذلہ ہے نہ نوحہ — کچھ کہہ تو سہی دل مین یہ کیا تو نے ہو ٹھانی
دُنیا ہی یہ اک دارِ فنا جسکا اثاثہ — سب خاک سے تا انجم و افلاک ہی فانی
ہو جاے گر انسان یونہین ہر شے مین خاموش — کس طرح دلون سے ہون عیان یہ ازہانی
اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے — دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی
فرمایا کہ موجون سے سمندر کے نہین آگاہ — ساحل پہ ہین جو راہ سپر قاصی و دانی
حالی ہی کو معلوم ہو حالی کی حقیقت — مشکل ہے کسک دل کی عزیزون کو دکھانی
آئے ہین سدا بھائیون سے بھائی بچھڑتے — موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کے آنی
پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی — غم بھائی کا مرجانے کی ہو اسکے نشانی
جس بھائی نے بیٹون کی طرح بھائی کو پالا — سوکھی ہوئی کھیتی مین دیا باپ کے پانی
جس بھائی کے آغوش مین ہوش اُس نے سنبھالا — جس بھائی کے سایہ مین کٹی اسکی جوانی
شفقت نے دیا جسکی بھلا مہرِ پدر کو — دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے — لذت نہین جینے سے نصیب اسکو اُٹھانی

دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو — کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت مین روانی
یہ چپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ — یہ چپ نہین مرجانیکی ہے دل سے نشانی
بولین گے کبھی سو بار ہنسین گے بھی جہانین — یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمین پار لگانی
پر آہ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی — مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپ [illegible]
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر — ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہین فانی

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسمان جاہ کی خدمت مین یہ حالی کی ہے عرض — کہ اگر میرا اک اک رونگٹا ہو جائے زبان
شکر ممکن نہین اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے — اُس نے ممتاز کیا بھیجکے شاہی فرمان
نہ ہوئی مجھسے کوئی خدمت سرکار نظام — نہ کیا مین نے کبھی وقت اور صرف زبان
نہ کوئی مجھ مین ہنر ایسا کہ ہو لایق قدر — اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت مین گران
حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا — جسکے صلہ مین وہ اس لطف کا ہوتا شایان
ہان مگر ذات مین ہے فیض رسانی جن کی — ڈھونڈھ لیتے ہین کوئی حیلہ برای احسان
ہین بری ہنر و بے ہنری سے جس طرح — خار و گل دونون کو کرتا ہے نہال آب روان
آسمان جاہ کا اک مین ہی نہین شکر گذار — ملک مین اُس کا ثنا خوان ہے ہر اک پیر و جوان
یان وہ اُن کھیتون کو دیکے گیا ہے پانی — آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگران
قوم اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج — ہے وہ عالم پہ ہویدا نہین محتاج بیان
عزت، آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا — ہو نہ تعلیم تو ہین سب کوئی دن کے مہمان
پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھون مین خلایق کی بلند — اور نہ وزن اُن کا ترازو مین حکومت کی گران

آسمان جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے
درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہو درمان

مدرسے قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز
جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان

اُن کی امداد سے نواب کی ہے قائم
چشم عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہان

کرتے ہیں زندۂ جاوید نبی نوع کو۔ جو
بذل کرتے ہیں پئے تربیت اہل زمان

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جسکا
ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احسان

یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات
جس پہ موقوف ہے بہبودی نسل انسان

یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز
یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آباد ان

یہی قوت ہے کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف
یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گران

دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل
کی ہمیشہ کے لیے ایک نے وان نہر روان

اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب
اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشان

برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
نہر جاری سے ہے ذات انکی سوا فیض رسان

بخت اس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو رئیس
حامی علم و ہنر مدار کمال انسان

اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں میں جب تک
شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان

آسمان جاہ سے ہو تقویت ملک دکن
اور یہی ملک دکن ملجا و ماوائے جہان

دولت قیصری و دولت آصفجاہی
ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیبان

۸۔ قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۶ ہجری

تہنیت عید الفطر بہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

ماہ صیام گیا اور روز عید آیا
خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا

گیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے
کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا

رہین منت ساقی ہین بادہ خوار تمام — کہ تیس روز کے پیاسون کا روزہ کھلوایا

گئے ہین ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش — کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا

شگفتہ آتے ہین اس طرح عیدگاہ سے لوگ — کہ گنج اُنھون نے ہے گویا خرابہ مین پایا

حسین چاؤ مین پھولے نہین سماتے آج — کہ دن خدا نے نمایش کا اُن کو دکھلایا

عزیز و دوست گلے ملتے پھرتے ہین باہم — خدا نے سیکڑون روٹھون کو آج منوایا

حکیم ہین متفکر نہ زاہد افسردہ — خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلٹ کایا

غنی ہین شال مین مست اور گدا ہین کھال مین مست — ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا

اُدھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر — سمان نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا

کھلے ہین اُسکے عوض دشت مین کروڑون پھول — جو غم سے شہر مین آج ایک دل ہے کملایا

ہزارون سرو خرامان ہین شہر مین ہر سو — جو دشت مین کوئی پودا ہے آج مرجھایا

اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم — تو سمجھو غم کا عوض غمزدون نے بھر پایا

مگر یہ عارضی انبساط ہے سب ہیچ — اس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا

فریفتہ ہوے جو ایسی ایسی خوشیون پہ — اُنھون نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا

خوشی ہے جس سے عبارت تو ہے خوشی انکی — جنھون نے خلق مین ذکر جمیل پھیلایا

جنھون نے دین کے گرتے ستون کو تھاما — جنھون نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا

جنھون نے ملک کے امراض کو کیا تشخیص — جنھون نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا

جنھون نے خلق سے اپنا بنایا غیرون کو — جنھون نے لطف سے وحشی دلون کو پرچایا

خبر مریضون کی لی جاہلون کو دی تعلیم — کھلایا بھوکون کو بے پوششون کو پہنایا

ہوا زمین پہ جس سال آسمان ممسک — مینہ اپنی داد و دہش کا اُنھون نے برسایا

ہواے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد — فضاے دہر کو خلق حسن سے مہکایا

سدا غریبون کی امداد پر ہین جو تیار — لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا

ہمیشہ مانگنے والون کو بے دریغ دیا / نہ مانگ سکتے تھے جو اُن کے گھر پہ پہونچایا

نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھکر / اُنھون نے لطف حکومت اسی مین کچھ پایا

نہ پائی کھانے مین لذت نہ چین سوتے مین / ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوایا

وغا مین شیر مگر وقت رحم موم صفت / کسی کی آہ سُنی اور دل اُن کا بھر آیا

وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج / جو شاہ راہ مین پتا کسی نے کھڑکایا

وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہونچی / جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلایا

نشاط و عشرت جاوید کی ہو اُن کو نوید / دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا

سنا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف / سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا

بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا / نہین ہے جسکا کوئی قرب شہ مین ہمسایا

جو ظل حق ہو رعیت کے سر پہ شاہ دکن / تو اعظم الامرا ظل حق کا ہے سایا

ہمیشہ جسکو ہے بہبود مملکت مد نظر / رفاہ و امن ممالک مین جسنے پھیلایا

اُٹھایا قسمت نے جب سرفراز کیا اُس کو / پڑا عمل مین جہان عقدہ اسکو سلجھایا

بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوری پہ / مشیر کار خرد پرورون کو ٹھہرایا

دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام / دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہان مین بجوایا

نہ کوئی ملک مین سرکش رہا نہ نافرمان / جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا

بل انتظام کے رشتہ مین پڑ رہے تھے بہت / سو تکلے کی طرح ایک ایک بل نکلوایا

لگا گئے تھے وزیران رفتہ جو اپنے / وہ صاحبی مین وزیر زمان کی پھل لایا

ترقی اب یہ تمدن مین کی ہو بلدہ نے / کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہے شرمایا

زبان حال سے ماضی کو دیجے کیا نسبت / اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا

خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا / دکن کو جسکی حکومت نے دن یہ دکھلایا

زمین پہ سایہ فگن جب تک آسمان رہے / رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر
سو یہ چگا سہ ناچیز پیشکش لایا
یہی بس اسکے لیے ہوگا مایۂ نازش
جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳ھ

تہنیت ولادت فرزند ارجمند دو شبستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

فیض رب ذو المنن سے مژدہ اے اہل دکن
نائب دولت کا نخل آرزو لایا ثمر
دی بشیر دولت و دین کو وہ چیز اللہ نے
جس سے پایا دیدۂ یعقوب نے نور بصر
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
حق نے دی جسکے عطا ہونیکی سارا کو خبر
جسکے ملنے سے ہوا داؤد ممنون قضا
جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہون قدر
جسکے بدلہ مین علی الرغم شماتت پیشگان
حق سے ختم الانبیاؑ نے پائی شبیرؑ و شبرؑ
جو بضاعت ہے گدائی اور دولت شاہ کی
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر
جس سے مستغنی ولی ہین اور نہ عارف بے نیاز
جس سے ہین اجداد زندہ اور امجد نامور
صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف
خلق کی آخر دعاؤن کا ہوا ظاہر اثر
یہ پسر یارب بحق عترت خیر الورے
پائے عمر خضر زیر سایۂ مہر پدر
صدر اعظم کی طرح دربار آصفجاہ مین
جایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگ جایے شان
زیور علم و ادب سے ہو مجلی اس قدر
سیرت و عادت مین اسکی نکلے آن اجداد کی
جوہر اخلاق فاروقیؓ ہون اسمین جلوہ گر
ملک آصف جاہ مین سر آسمان جاہ اور وہ
رات دن رکھین اجالا صورت شمس و قمر

---

۱ اس مین یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد مین ہین ۱۲

۱۰ قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ

اے صفر کی دوسری ، روز دوشنبہ مرحبا
ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا

ہمنے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد میں قدم
پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا

عزتِ قومی پرستی تھیں سدا آنکھیں جسے
اسکے کچھ آثار دیکھے ہمنے یاں شکر خدا

کھوج میں جس فخر کے پھرتے تھے اک مدت سے ہم
آکے بلدہ کے سوا نہیں لگا اُس کا پتا

بھیک کو نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے
جھولیاں ڈالے گئے ہیں دربدر دیتے صدا

پہنچے لینے ان کو وہ اعیان دارالملک سے
دولتِ عالی کو جن کی ذات پر ہے اتکا

قوم کو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہے جن پہ ناز
سلطنت کے جو ہیں اعضا اور ریاست کے قویٰ

صدر اعظم نے ہمیں بخشا اقامت کے لیے
وہ گلستاں خجل ہو جس سے جنت کی فضا

ہم غریبوں کو سمجھ کر اک سفارت قوم کی
دی وہ عزت، شکر جسکا ہو نہیں سکتا ادا

پیشتر مہمان نوازی کا فقط سنتے تھے نام
آکے یاں دیکھے کہ ہے مہمان نوازی چیز کیا

کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو مرحمت
اُس نے کلفت کو سفر کی دل سے بالکل دھو دیا

یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہے ضرب المثل
جو کہ جا پہنچا دکن میں بس وہیں کا ہو رہا

ہے دکن کی وہ ہوا شاید مسافر پروری
جو دکن میں آکے ٹھہرا ہو وطن کو بھولا

وارثِ ملک دکن ہے آج وہ محبوبِ خلق
نام پر بیٹا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا

ہم کہیں وکٹوریا کے مہد امنیت میں پلے
امن و آزادی کی پڑھتے کہانی ہو برسوں ہوا

۱؎ یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء مطابق ۹ صفر ۱۳۰۹ھ میں بمقام حیدرآباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مع اکثر رفقا کے جنمیں سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڈھ کی طرف سے حضور سرکار نظام میں واسطے ضرورت کے گئے تھے ایک جلسۂ عام میں پڑھا گیا تھا جسکے صدر انجمن جناب نواب وقار الامرا بہادر تھے ۱۲ حالی

جانتے ہین ہم کہ ملتی ہے رعیت کسطرح — کسطرح ہوتے ہین مقبول جہان فرمان روا

کرتے ہین کس منتر اور افسون سے تسخیر قلوب — کسطرح بوتے ہین دلمین خلق کے تخم وفا

کر لیا محکوم کے دلمین اگر حاکم نے گھر — تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اُس نے ادا

ہے یہی شاہ دکن کی گلہ بانی کی دلیل — گلہ اپنے گلہ بان پر جان و دل سے ہے فدا

پوچھنے کچھنے کی اہل ملک سے حاجت نہین — ان کی خوشحالی پہ اُن کی تازہ روئی ہے گوا

دیکھتے آئے تھے جیسے راہ مین ہم سبزہ زار — خلق کو سرسبز دیکھا آکے یان اُن سے سوا

راہ مین دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردون شکوہ — آکے دار الملک مین دیکھے محل گردون نما[1]

عالمون کی سخت گیری سے ہین سب آزاد یان — بینوا سے منعم اور منعم سے بڑھکر بینوا

اغنیا مین ہم وہ استغنا نہین پاتے کہین — جیسا بے پروا نظر آتا ہے یان ایک اک گدا

جتنی یان قومین ہین سب رکھتی ہین باہم میل جول — بے تعصب بے تکلف بے تصنع بے ریا

ایک کے تہوار مین ہین غیر مین سارے شریک — ایک کی تقریب مین ہمدم ہین سب اور ہمنوا

دولت عالی نے حق سب کو برابر ہین دیے — ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہین یان دوسرا

پارسی ہندو مسلمان یا مسیحی کوئی ہو — ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

ہم کو یان کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے کچھ سے کچھ — رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا

قصہ کوتہ - بار جب ہم کو ملا دربار مین — کہہ نہین سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا

دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصفجاہ تک — واقعہ ہدہد و سلیمان کا ہمین یاد آگیا

حضرت والا نے جس شفقت سے کین نذرین قبول — اُسپہ گر جان اپنی ہم قربان کرین تو ہے بجا

جس توجہ سے سنی روداد قومی درسگاہ — شکر سے اُسکے نہین ہو سکتے ہم عہدہ برآ

جب سے کالج کی علی گڈھ مین بنا ڈالی گئی — دولت عالی مدد کرتی رہی اس کی سدا

[1] یہ اشارہ ہے اُس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامرا بہادر نے بلدہ حیدرآباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زر خطیر صرف کر کے اپنے رہنے کے لیے بنوایا ہے اور اُس کا نام فلک نما رکھا ہے ۱۲

جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر — دم بدم پانی دیا یان تک کہ بار آور ہوا
اب کہ وقت آ کر پڑا تھا بانی کالج پہ سخت — دولت عالی نے شرط دستگیری کی ادا
مشکلین جسطرح کی تھین قوم کی اول بچل — کی اُسی دریا دلی سے اُنکی پھر حاجت روا
خود علی گڈھ کالج اور اُسکے در و دیوار سب — راگ گاتے ہین سدا احسان آصفجاہ کا
ہند مین باقی ہین نسلین جب تلک اسلام کی — جیتے جی ہونگی نہ اُسکے طوق منت سے رہا
کی ہے سر سید نے جو کوشش فلاح قوم مین — اُسکو ہے لے اہل مجلس اک زمانہ جانتا
پر یہ سر سید سے بیڑا پار ہوتا تھا محال — دولت عالی اگر بنتی نہ اُس کی ناخدا
تھا پڑا اسٹیم کا سچ پوچھو تو خشکی مین جہاز — دولت عالی نے اُس خشکی مین گنگا دی بہا
ہے روایت جبکہ ہجرت کرکے ختم المرسلین — پہونچے یثرب مین تو یہ ارشاد یاران سے کیا
جسطرح ہوتی ہے بانی سانپ کی جائے پناہ — ہوگا ملجا اب مدینہ بھی یونہین اسلام کا
ہے بلا تشبیہ دار الملک آصفجاہ بھی — ہند مین اب مرکز اسلام ہے بے روو ریا
ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان مین یکتا — دولت عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بلا
تربتین اور خانقاہین مدرسے اور مسجدین — سب کی ہوتی ہے نگہبانی اس طرح بے چون و چرا
حج بیت اللہ سے جو ہر مسلمان پہ ہے فرض — ہے دکن آنا مقدم شک نہین اسمین ذرا
اول آنا چاہیے یان استطاعت کے لیے — کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا ناروا
خرچ سے ہاتھ اک مسلمان کا ہو گر اتنا تنگ — ہو دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا
خواب آتے ہین دکن کے اُس کو سوتے مین نظر — قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا
ہند مین کرتے ہین کوشش جو رفاہ خلق مین — اور مدد کو جن کی یان حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا
چلتے چلتے انکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہے جب — کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہین سے بینڈیا[1]
ہے دکن کی اور مسلمانون کی یارو وہ مثال — اک سمندر ہے کہ ہر سو جسمین ہے طوفان بپا

[1] جبکہ گاڑی یا چھکڑا بیلون سے نہین کھچ سکتا تو بیلون کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہین اسکو بینڈیا کہتے ہین ۱۲

تھا جہاز اک یہیں جو اہل قصد حجاز سے | لطمۂ امواج نے پرزے کیے اُس کے اُڑا
ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اُبھرے نہ پھر | بچ رہے ہیں جو وہ ہر سو مارتے ہیں دست و پا
کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر | اِس محیط بیکران میں ایک زورق کے سوا
ہے وہ زورق نظم آل سرکار آصف جاہ کی | ہے مسلمانوں کو اب لے دے کے جس کا آسرا
ہے دعا جس وقت تک باقی ہے ہندستان میں ہے | یارب اس زورق کو تو موج حوادث سے بچا
ختم کر حالی سپاس حضرت اعظم پہ سخن | بال بال اپنا ہے جسکے شکر میں جکڑا ہوا
تقویت جسکی ہر مشکل ہماری حل ہوئی | انجمن کے منعقد ہونیکی دی جس نے رضا
پھر ادا کر جان و دل سے شکر صدر انجمن | جسکے قدموں میں یہ زیبا ہے کہ دیں آنکھیں بچھا
جس نے قومی انجمن میں بن کے صدر انجمن | قوم کو دی عزت اور انکی امیدیں دیں بڑھا
لیکے اذن صدر اعظم سے کیجیے پھر قصد وطن | ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا
باندھیے جلد اب رخت سفر ہو کے ساتھ | قافلہ سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

۱۱۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری[۱]

بمقام حیدرآباد دکن

یاں بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے | اہل اُس کا شکر کرتے ہیں [illegible]

[۱] سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے ہمراہ علیگڑھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدرآباد دکن میں حضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار الامرا بہادر مشیر المہام میں منعقد ہوا تھا جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لیے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اسوقت موزون کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا ۱۲

خدمتِ والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے — عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دہر — جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
شکر کرنا تھا ہمیں سرکارِ عالی کا ضرور — چند نظمیں انجمن میں اس لیے لکھ کے پڑھیں
گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت — اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
رہ گیا ہے اس کوشش میں باقی اک قصور — در گذر فرمائیں گے سرکار اس سے ہے یقین
اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر — جھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہے وہ ان میں نہیں

۱۲ - قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

در شکر اضافہ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر

اے بشیرِ دولت و دین نائبِ شاہ دکن — اے مہماتِ دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پہ جو فرمایا ہے لطف و کرم سرکار نے — شکر اُس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار
جو کہ ہوتے ہیں جہان میں بہرہ ور مقصود سے — پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے وہ دوچار
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح — ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود جب حالی کو اُس در سے بلا — بے تردد بے تذلل بے طلب بے انتظار
قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام — پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یارب اس سرکار کو ہے جس سے عالم فیضیاب — جب تلک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

۱۳ - ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علیگڈھ پڑھا گیا

شکر اُس نعمت کا یارب[۱] کر سکے کیونکر زبان — تو نے رکھا ہم کو یاں فقر و غنا کے درمیان

[۱] اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

جب ہوے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش
پر نہ اتنی معدہ و احشا پہ جو گذرے گران

جب ہوے پیاسے تو بخشا آبِ شیرین و خنک
پر نہ ایسا ہو صراحی جسکی یارون سے نہان

ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکین خرد و کلان

کھانے پینے کو کیے برتن ہین تو نے عطا
پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جنکے ہو خوف زیان

سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمین
پر نہ ایسا جس سے اُٹھتا ہو طبیعت پر گران

رہنے سہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مثل جسم و جان

آنے جانے کو دیے دو پانو یان تو نے ہمین
جن سے ڈر لے بہاگنے کا اور گرنے کا گمان

راہ اور بے راہ یکسان جن کو ہنگام خرام
کوہ سدِّ راہ جن کا اور نہ خندق اور کوان

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسے۔ تخت فرعونی کا ہو جسپر گمان

سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی ہین جسکی بیم جان

آبرو تو نے ہمین دنیا ہین دی اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہون مقصود اپنے زمان

نعمتین اکثر ہمین بعد از مشقت تو نے دین
تا کہ تیری نعمتون کی قدر ہو ہم پر عیان

راحتین اکثر میسر آئین تکلیفون کے بعد
تا کہ سمجھین نہ ہم ان راحتون کو رایگان

وقت پر کرتا رہا باران رحمت سے نہال

قحط اور طوفان دونو سے بچایا بال بال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) حالت سے بہتر بنایا گیا ہے متوسطین سے وہ لوگ مراد ہین جنھون نے اپنی ذاتی کوشش اور سعادت ہلپ سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل مین اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسرون مین امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنی درجے سے وہ لوگ مراد ہین جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہین چاہتے یا چاہتے ہین مگر نہین بڑہ سکتے۔ اعلی درجے سے وہ لوگ مراد ہین جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت مین پیدا ہوے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہین سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اسکے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہین کرتے ۱۲ حالی۔

الحذر اُس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لوٹ ی جاتے ہیں بن جسکی بدولت شیر نر

چاپلوسی جا کے کرتے ہین سفیہون کی فقیہ
ناکسون کے ناز بیجا سہتے ہین اہل ہنر

وزن ہین علم و فضیلت جنکے ہم سنگ کوہ
وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہین نظر

فقر و حاجت مین نہو انسان کو جب صبر و شکیب
پھر نہین کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوالے جُوا کھلوالے یہ چوری کرالے
پت گنوالے آبرو کھوئے پھرائے دربدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی
لے سکے محتاج جورو کی نہ بچون کی خبر

گر زبان آلودہ اُسکی شکوۂ تقدیر سے
اور کبھی بوچھار اس کی آسمان پیر پر

گر بخیلون کی مذمت پر کبھی آجائے وہ
ہو نہ سب و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر

اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
کھولدے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر

گہ ہوائے عام کی مانگے دعا اللہ سے
تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہین آسیمہ سر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا مین کوئی انقلاب
تاکہ ہو جائین بلند اور پست سب زیر و زبر

بے حلاوت اسکی دُنیا اور مذبذب اسکا دین
خوفناک اُس کا ارادہ نیّت اُس کی پرخطر

رات اُس کی حسرت آگین اور دن اندوہگین
شام اُسکی پرنحوست اور شوم اُس کی سحر

گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا
تھا مگر ثروت مین اُس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہین
پر وہی ثروت سو اُسکے شکر کی طاقت نہین

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش مین آنا محال
اس سے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال

نفس امّارہ اور اُس پر چھیڑ مال و جاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا و تیلیگا جسمین ڈال

باد صرصر آگ کو اسطرح بھڑکاتی نہین
جسطرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس
نفس انسان مین اگر بالفرض ہو کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہان آیا قدم
اور ہوے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انسان پر حرام
کر دیے اُسکے لیے سب اُس نے دولت نے حلال

فقر میں تھا نفس جون ماندہ جس بے پر سے
آ کے ثروت نے دیے پر واسطے اسکے نکال

خواہشیں یون نفس میں اب پیہم بڑھنے لگین
مستقر میں جس طرح دیوانہ کے گونا گون خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چھوٹوں میں ایک نے گویا نکالے ہیں پر و بال

مسرف بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جھک پڑی طبع دنی گر بخل اور خست کیطرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اسکی وبال

اور اگر نخوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اسکے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقای حرص
ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا محال

باڑھ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جسقدر ثروت میں ہے دشوار پاس اعتدال

گلشن دولت کے ہوں انگور کھٹے بھی اگر
دیکھ لے روباہ نفس دون حذران سے حذر

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنے سے بری

چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
ہے جو برزخ میان مکنت و دست تہی

فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنت اگر
مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنت سے بھی

دخل شیطان کا ہے جسمیں ایسی جنت کو سلام
منزل اعراف سو بار ایسی جنت سے بھلی

اس کٹھن منزل میں ہے بٹیا بھی اک پرخطر
ہیں ادھر کھڈا اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی

رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بین بین
ہیں حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری

اپنے سے اعلی کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
دیکھ کر ادنی کو کر لیتے ہیں اپنی دلدہی

سن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز
دل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر جنسا کبھی

لذت فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی

جو گذرتی ہے گدا پر اُس سے ہیں وہ باخبر
کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذری ہے یہی

امتحان دولت کے نہین ہین کچھ نہ کچھ جھیلے ہوے
کیونکہ ہے ہر گھونٹ مین اُس کے تلخی وہی

اس لیے جب دیکھتے ہین عسرت ابنائے جنس
جوش ہمدردی سے بیکل اُنکا ہو جاتا ہے جی

اور نہین کرتے زبان طعن بیدردی کے وا
جبکہ سنتے ہین کسی منعم کی از خود رفتگی

مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی
واردات ایک ایک کی ہو سب انپر کھلی

جنت اور دوزخ ہے سب اعمالون پہ جلوہ گر
گندم اور زقوم دونون انکے ہین پیش نظر

دل توانا اور قوی بازو کی ہمت ان سے ہو
منتظم ہر قوم و ملت کی یہان ان سے ہے

مشکلین اکثر انہین سے قوم کی ہوتی ہین حل
بھائیون کے بار ان مین سے اٹھانیوالے ہین

ہو انہین کے دم سے ہے گرمی ہنگامہ آج
ساری قومی مجلسون کی زیب و زینت ان سے ہے

ہے جہان دولت نہین ہین نظم دولت کے کفیل
ملک کی دولت مین ہے جو خیر و برکت ان سے ہے

ہاتھ مین انکے ہین جیسے عقل و دانش کے ہین کام
عقل و دانش مین ہے جو حسن عملکی شہرت ان سے ہے

ہین گدا ان سے بھلے اور شاہون سے مشیر
شاہ ہون یا ہون گدا دونون کی عزت ان سے ہے

آدمیت سیکھتے ہین ان سے سب چھوٹے بڑے
نوع انسان مین بقائے آدمیت ان سے ہے

یہ نہون تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یان
رونق بازار جنس علم و حکمت ان سے ہے

پاؤ گے انہین طبیب انہین ادیب انہین خطیب
ہے اگر انسان کو حیوان پہ فضیلت ان سے ہے

پاؤ گے ان مین مہندس پاؤ گے ان مین حکیم
آدمی مصداق رحمانی خلافت ان سے ہے

کرتے ہین اخلاق ادنی اور اعلی ان سے اخذ
آدمی سب ہین مگر انسان عبارت ان سے ہے

ان مین قومون کے ہین رہبر ان مین ملکون کے کفیل
آبرو قومون کی اور ملکون کی عزت ان سے ہے

پھونکتے ہین سب مین روح اور یہی افسردون مین
ہے جہان قومون مین یکرنگی و وحدت ان سے ہے

دم سے ہے وابستہ ان کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گر نہ ہو ہر حال مین ان کی مصالح پر نظر ہین مفاسد گرد و پیش ان کے فراہم سر بسر
کھیلتی ہے جسطرح بتیس دانتون مین زبان ہے انھین بھی شر سے یان بچ بچ کے رہنا عمر بھر
گھاٹیان فقر و غنا کی اُن کے ہین دونون طرف اور رستہ بیچ مین ہے بال سے باریک تر
ایک جانب پستیِ فطرت ہے اور دُون ہمتی ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر
جھک پڑے گر اسطرف تو مفت کھو بیٹھے انھین وہ جو اُڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اسطرف تو اُس بلا مین پھنس گئے جسمین پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر
برکتین اللہ کی اُس قوم پر جس قوم مین رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر
ہین معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست سب کی پڑتی ہے انھین کے دست و بازو پر نظر
جو قویٰ اُن کو ملے ہین کام مین لائین انھین تاکہ زندون کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
فرض ہین جو اُنکے ذمہ خالق اور مخلوق کے اُن مین سرگردان رہین پروانہ وار آٹھون پہر
قوم ہو گر ناتوان تو تقویت بخشین اُسے کیونکہ اُسکے ضعف سے ہے اُن کی قوت کو ضرر
گو نجات انسان کو مکروہات دنیا سے نہین جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے مگر
کام دنیا مین سنوارے ہین جنھون نے قوم کے تھے کمون سے وہ مکروہات مین آلودہ تر
سارے بھگتاتے تھے بائین ہاتھ سے دنیا کے کام اور داہنے سے تھین قوم کی کرتے سپر

جسطرح اس انجمن کے رُکن آئے ہین تمام
قوم کی خاطر ہزارون چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جسکی وہ جماعت ہے یہی جس سے جان آتی ہے مُردون مین وہ طاقت ہے یہی
اتفاقِ قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی
مال و دولت نامبارک ہے نہو گر اتفاق قوم جس بن دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی
بان وکیل ایک اک ہی شہر اور ملک کا قایم مقام دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی
رایگان جائیگا یارون کا نہ یہ رنجِ سفر راحتین جسکی طفیلی ہین وہ زحمت ہے یہی

فرد فرد آتے ہین جو جاتے ہین یان سے مجتمع
ملتے ہین جسکی بدولت دل وہ ملت ہو یہی

تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے کام آئین
جس سے کل چلتی ہو دنیا کی وہ حرکت ہے یہی

قوم کی خدمت مین ہو مضمر ربوبیت کی شان
جو کہ بجواتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی

قوم کی ذلت کو سمجھین ذلت اپنی سب عزیز
ملک مین عزت سے اب رہنے کی صورت ہو یہی

سال بھر رہتا ہو نقش اس انجمن کا یادگار
جو کبھی برہم نہین ہوتی وہ صحبت ہے یہی

کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ جمع وسیع
جز رسے افزون ہو مد جسکا وہ رحمت ہے یہی

اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ڈر نہین اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی

ہو کبھی افراط باران اور کبھی ہے قحط آب
طینت عالم مین خاصیت ودیعت ہو یہی

کال ہے گر اس برس تو ہو سمان اگلے برس
جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہو یہی

دیگ تو پکتے ہی پکے گی دھیمی آنچ مین
کچھ ابال آیا تو ہے اس مین غنیمت ہو یہی

انجمن ہو قوم کی ہنگامۂ شادی نہین
ایک دن کا کام کچھ دنیا کی آبادی نہین

۴ ا مسدس مرتبہ ۱۳۱۲ھ

مرثیہ جناب حکیم محمود خان مرحوم دہلوی

اے جہان آباد اے اسلام کے دار العلوم
لے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم مین دھوم

تجھ سے ہنرور تجھ مین اتنے جتنے گردون پر نجوم
تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہان آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری ہی طینت مین ودیعت تھا مذاق علم دین
جیسے امی تجھ مین تھے عالم نہ تھے ایسے کہین

ہند مین جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چین
تھی محدث خیز اے پایتخت تیری سرزمین

تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاک پاک کا

یہ بھی وقت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر — آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر

تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہر منیر — تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے

تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم — آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم

جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغ ارم — بھرتے تھے تیرے اطبا یاں مسیحائی کا دم

ہند میں جاری تجھی سے طب یونانی ہوئی

شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور — ایک جہاں شیوا بیانی سے ہے اُن کی با خبر

راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر — سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوا سے فاتقر[1]

حسن صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد[2] تھا

حسن معنی تیرا حصہ اے جہاں آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم — جن میں تھی اسلامیوں کی چار عالم میں دھوم

دولت و اقبال کا جبتک رہا تجھ پہ ہجوم — کھیتیوں پر تیری ابر آتے تھے جھوم جھوم

آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصل خزاں

تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام — تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور انام

---

[1] فاتقر سمرقند کے قریب ایک قطعۂ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

[2] نوشاد اور خلخ دو شہر قدیم ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲

آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام
شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام

رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
ناز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال
ڈھل گئے سانچے میں گویا اُس کے عادات اور خصال

آکے بن جاتا تھا یاں نقصان انسان کا کمال
تیرے پرچھاوں سے موتی بن کے جاتے تھے سفال

آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور مآب
آن کر لیتے تھے یاں ٹھیکی جہان کے انتخاب

بستے تھے اطراف آ آکے تجھ میں شیخ و شاب
کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

جمگھٹا تھا تجھ میں ترک و فرس و روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگارنگ کا

لیکن آخر طبع دوران کا ہے جیسے اقتضا
ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا

جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا
وقت اے جان جہان تیرا بھی آخر آ لگا

گردش افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ پے در پے آفت انقلاب آنے لگے
نیچے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے

طالع مشفق کے پیغام عتاب آنے لگے
تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

دولت و اقبال کا شیرازہ لگا جانے بکھر
تجھ سے اٹھنے کو علوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دار السلام
کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام

ہو گیا رخصت جہان سے تیرا جاہ و احتشام
رفتہ رفتہ ہو گئی سب شاہی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیوان ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویران ہوئے

چل دیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب — مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سلا کو سو گئے تیرے نصیب — اس گلستاں سے نہ اٹھی پھر صدائے عندلیب
جنکو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا۔ اس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

لٹ گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر — گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
بکھر گئے تاج شرف سے تیرے سب لعل و گہر — تجھ کو لے دار الخلافت کھا گئی کسکی نظر
علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ
اے گل پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دور آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا — بجھتے بجھتے تھا چراغ اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے یاں تیری پھر اُگلے وہ لعل بے بہا — جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
عہد ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی — پر ہنر کی عرض میں تو نے ابھی کی نہ تھی
اس بزرگی سے گزاری تجھ میں تو نے صدی — پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویر دور اکبری
علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے سارے ہر فن میں دھوم

ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا — تھا جہاں علم و ہنر گردوں کا بالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا — پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیے | واعظان قوم سوتون کو جگا کر چل دیے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے | کچھ مسیحا تھے کہ مردون کو جلا کر چل دیے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیل فنا اُس کو بھی لے ڈبی تہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی | ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر تجھے اک محمود خان کے دم سے تھی ہیبت قوم کی | اُٹھ گیا وہ بھی جہان سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائیگا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کریگا اے جہان آباد تو

تجھ مین ہے دلّی کوئی اب ایسا مقبول جہان؟ | نازش دار الخلافت مرجع ہندوستان
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈمان | بچہ بچہ کی زبان پر نام ہے جسکا روان

نیم جانون کا مسیحا اور غریبونکا طبیب
خود حکیمون کا معالج اور طبیبون کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ مین پھر ایسا یگانۂ زمان؟ | واقعات زندگی کر دیجئے گر اُس کے بیان
تجھ مین اک افسانہ نا واقف اُسے اور داستان | ہے تعجب خیز الحق سیرت محمود خان

یا وہ اک جوہر الگ تھا جوہر انسان سے
یا نکلتے اب نہین ایسے جواہر کان سے

اس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا | خلق کا دن رات رہتا تھا جہان تانتا بندھا
مفت بیمارون کو اُسکے در سے ملتی تھی دوا | فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا

اُس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال و دولت کو سدا — تھے برابر اُسکے نزدیک اغنیا اور بینوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر مین بے انتہا — کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ حال اسکے سوا

کرتے ہین جو دعوی ہمدردیِ نوعِ بشر
اُس نے باطل کر دیے تھے انکے دعوے سر بسر

طب مسلمانون کی لی اس کی مسیحائی نے تھام — ورنہ ابتک اُسکی تُرکی ہو چکی ہوتی تمام
رونقِ طبِ جدید اور اس پہ میل خاص و عام — درسگاہون اور دواخانون کا اُسکے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اُسکی خوبی کا مقر
طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظرون سے گر

سحر جون کچھ دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل — آگیا تھا رائے مین نو واعتقادون کی خلل
دین مگر اُسکی مسیحائی نے سب آئین بدل — طب یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اُسکے حملون سے ہوئی عہدہ برآ

گو کہ جاتے تھے شفاخانون مین خاص و عام سب — پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض مین بیمار جب
خلق کا پھر ملجا و ماوی اُسی کا تھا مطب — اُسکے بیمارون کو گو یاس ہو یا جان بلب

سوءِ تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مُہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہین آلات پر سرجن بھروسا جس قدر — کرتے ہین معلوم جو جو اُن سے امراض بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھکے انگلی نبض پر — اُسکی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرما مٹر

نارسا تھین جو نہین اہل صنعت کی جہان
جا پہونچتی تھی نگاہِ دوربین اسکی وہان

شہر کے سب مرد و زن پیر و جوان خرد و کلان — تھے قوی پشت اُس سے ایسے جیسے پشتہ سے مکان

جسکو نسخہ دیدیا لکھکر وہ یہ سمجھا کہ ہان　　　زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہین یان

گو کہ ماتم ملک مین ہے اُسکا ہر سو آجکل
پر گئی لے شہر بھر کی جان ہی گویا اجل

کیا عجب پیدا ہون پھر ایسے طبیب چارہ گر　　　جو کہ تشخیص مرض مین رکھتے ہون غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی راے اور تدبیر پر　　　شہر مین ہون مرجع کل ملک مین ہون نامور

جمع ہون محمود خان کے ذات مین اتنے کمال
ہے یہ سب ممکن مگر محمود خان ملنا محال

راستی اور راستبازی اسکی تھی ضرب المثل　　　اُسکے کامون مین ریا تھی اور نہ باتون مین غل
امتحان کے وقت جب تھا نظم عالم مین خلل　　　راستبازون کی کُھلی تھی ٹھیک جب سو نکل

کھوٹ سے اُس آنچ مین نکلا وہ خالص اس طرح
آگ مین تپ کر نکھر اُٹھتا ہے کندن جس طرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلّی مین اک محشر بپا　　　نفسی نفسی کا تھا جب چارون طرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال مین چھوٹا بڑا تھا مبتلا　　　باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جبکہ دریاے عتاب ذوالجلال
باغیون کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھکر یارون کو جب آنکھین چرا جاتے تھے یار　　　ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار　　　شہر مین تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائین اُسکے شعلے سے کہین خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان　　　کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پُتلا عیان
ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنوان　　　بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیان

راہرو گمراہ تھے اور راہ پُرخوف و خطر
اُسنے دکھلایا کہ یون چلتے ہین سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم مین تھا حاکمون کو اشتباہ — عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرمون کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ — پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت مین ہمدردی جو اُسنے کی
اہل انصاف اسکو بھولے ہین نہ بھولینگے کبھی

بالیقین جن مجرمون کو اُس نے سمجھا بے خطا — مارشل لا مین ثبوت ان کی گواہی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہوگیا اک اک رہا — جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت برملا

زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانون کو ٹھکانا بے گھرون کو گھر دیا

قصے جھگڑون مین کبھی پڑنیکی جسکی خو نہ تھی — دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی — ہاتھ سے جسکے بڑون کی آن اب تک ڈھی نہ تھی

بیگناہون کیلیے وہ رات دن حکام مین تھا
پانو اک اُس کا عدالت مین تھا اور اک گھر مین تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابناء الزمان — تھی امانت جسکی اسکے پاس ہلکی یا گران
خوف مین پاس اپنے رکھا اسکو مثل پاسبان — کی حوالے مالکون کے جب ہوا امن و امان

ایک عالم تا خدا ترسی مین جب بیباک تھا
اُسکا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری مین نہ تھا اُس کا زمانہ مین بدل — وضع مین اسکی تغیر تھا نہ عادت مین خلل
وقت کی تاثیر کا اسپر نہ چلتا تھا عمل — انقلاب دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل

اسکے آگے ان نئے سانچون کی کچھ ہستی نہ تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار اُسمین فرق آیا نہ وقتِ واپسین تک زینہار
کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار وضع اُسکی جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار

قوم کے ازیاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہدِ عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گو بارِ گران پر ہر اک حالت مین ہلکی پھول سی ہستی تھی جان
پا بگل دنیا مین پر دنیا کے غم سے برکران رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادمان

ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اُسکو نہ مکروہات مین پایا کبھی غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی تلخیِ دوران سے چتون پہ نہ میل آیا کبھی

کی بسر دار المحن مین بزم عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دنیا مین جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار قوم مین جسکی مثال آئندہ کم دیکھینگے یار
گل کھلائے گی نئے گلشن مین اب بادِ بہار رنگ ہوگا جنمین لیکن بو نہ ہوگی زینہار

کرتے ہین جب ان حوادث کی نظر انجام پر
قوم مین اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم مین شمار
ایسے حاصل خیز دنیا مین نہ ہونگے کشت زار جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یان
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یان

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال

دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اسکی مثال ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے ہمال

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا

مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی تھیں سخنور کے لیے چاروں طرف راہیں کھلی

داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کا گرماتے تھے لوگ

گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم

نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جب تک کہ دم میں دم رہا

ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵- ترکیب بند مرتبہ سنہ ۱۸۹۳ء مطابق سنہ ۱۳۱۱ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک آج جس پہ ہیں جمع اہل آرا یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا

اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں آنکھوں میں کھب رہا ہے گویا سماں وہ سارا

کل جن کا تخت تھا یاں ہے آج جشن شادی ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا

بلبن کے آج جو یاں خاقان ہیں اور سلاطیں [illegible] ہے کہ وہ [illegible] بلبن سے [illegible]

فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد دو طرفہ بن رہا ہے [illegible] سے شہر سارا

تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل [illegible]

مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت — تیمور سے زمانہ ہے برسر مدارا
آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پا کر — ہیں شوق شاہ نو میں پیر و جوان خود آرا
کل سو برس میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے — مغلوں کا آرہا ہے گردش میں پھر ستارا
ہے جشن فتح پھر آج ہندوستاں میں برپا — اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر — ہے گرد اسکے آگے جشن قباد و دارا
شاہ جہان خوشی سے پھولا نہیں سماتا — تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارہ
تیاری اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے — گویا کہ ہے جہاں میں جشن سدہ دوبارا
اطراف ہند سے ہیں اعیان ملک آئے — پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکان سلطنت ہیں سب پائے تخت حاضر — بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنیوالے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن انکے اب تک سب زیب داستاں ہیں

اے خاک پاک دہلی اے تختگاہ شاہاں — پیش نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہر سو — پر کوئی جشن قومی آتا نہیں نظر یاں
تقریب جشن جسمیں ہو کچھ نہ جز اخوت — ملکوں سے جمع آکر جسمیں ہوئے ہوں اخواں
پائیں و صدر کا ہو جسمیں نہ کچھ تفاوت — خرد و بزرگ کی ہو جسمیں نشست یکساں
جن کو نہ بلاوا حاکم کا اور نہ دہشت — لایا ہو کھینچ کر دل ان کو نہ حکم سلطاں
خادم ہوں جسقدر واں مخدوم قوم کے ہوں — مخدوم جتنے ہوں واں سب قوم پہ ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع — ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی وہ مہماں
ٹھہرائیں جسکو چاہیں وہ آپ میر مجلس — چاہیں جسے بنائیں وہ آپ میر ساماں

سدہ آگ کو کہتے ہیں جشن سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول جمشید نے پتھر سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲

آئے ہوں اس غرض سے سب مل کے تاکہ سوچیں — دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلمان
ہندوستان میں کیونکر باقی رہے نشانی — اُس قوم کی کہ تھا کل جنکے وہ زیر فرمان
سنبھلیں تو کیونکہ سنبھلیں ذلت سے وہ گھرانے — اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیمان
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ — جن کے سبب ہے زندہ نام حدیث و قرآن
جو مسجدیں ہیں بہر ذکر خدائے واحد — محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں انکے ارکان
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پہ — اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرض انسان
اے شہ نشین اسلام اے معدن سلاطین — اے پایۂ تخت سادات اے ارک مغلان

تو جشن گاہ شاہان ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے
بے روح تھے وہ قالب ہے اس میں روح خوشی — موج سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے
میلے نہ وہ بچھڑتے روح اُن میں گر یہ ہوتی — رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا — یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا نہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کریں گے اب حل ہمیں تھیں جو کچھ — جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے — معذور ہیں وہ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوج ملک کو اکثر سمجھا ہے فوج دشمن — حملہ ملک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب دن — انسان سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو — ابتک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

ہوتی ہے قدر ان کی بنتی ہے جان پر جب
لاتے ہین تب یہ ناوین جب بیڑا ڈوبتا ہے

گو سب جہاز والے خطرے سے بیخبر ہین
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہین ناواقف آشنا سب
ہنستے ہین ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

گلشن مین فصل گل کے سب چہکے نشان ہین
پر چین سے عنادل گلشن مین نغمہ خوان ہین

طاؤس و کبک خوش خوش گلشن مین ہین خرامان
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغبان ہین

غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بیفکر و بیخبر ہین بوڑھے ہین یا جوان ہین

اتراتے ہین سلف پر اور آپ ناخلف ہین
رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہان ہین

فضل و کمال اُن کے کچھ تم مین ہون تو جانین
گر یہ نہین تو بابا وہ سب کہانیان ہین

کھیتون کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیان ہین

تم سے بھلے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یان ہین

اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
رستے پہ دیکھین چلتے اب کتنے کاروان ہین

خدمت مین ان کی حالی کہتا ہے با ادب یہ
اس وقت رونق افزا یان جتنے مہربان ہین

دنیا مین گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یان آثار سب عیان ہین

عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھین دکھا رہے ہین
قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمران ہین

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتے نہین تدارک
قومین وہ چند روزہ دنیا مین مہمان ہین

گھڑیال اور مگر مچھ ہین اُن کو نگلے جاتے
دریا مین مچھلیان جو کمزور و ناتوان ہین

سنبھلو وگرنہ رہنا یان اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشان ہین

غفلتین مبادا اب روز بد دکھائین
دھندلے سے کچھ نشان ہین ڈر ہے کہ مٹ نہ جائین

انمین اکثر وہ اشعار ہین جو لوگون کی فرمایش سے خاص خاص موقعون پر اردو یا فارسی وغیرہ مین لکھے گئے ہین

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر تجھے کون سی نعمت کا خالق کی ادا ۔۔۔ ایک سے ہے ایک نعمت اسکی بندون پر سوا
اسکی قدرت کے خزانون مین نہین ہرگز کمی ۔۔۔ جس نے جو مانگا وہی اُس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو ۔۔۔ سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
بیبیون کو بیٹے دیا ماں باپ کو اولاد دی ۔۔۔ اس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھون کو جلا
عمر بھی افزون عطا فرمائی پھر اولاد کو ۔۔۔ کل جو چھوٹی تھی جنکی ہے دن آج انکے بیاہ کا
آؤ اسکے شکریہ مین ملکے باہم شاد ہون ۔۔۔ تا کہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو ۔۔۔ لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب ۔۔۔ مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہین ساماں جب ۔۔۔ کہ ہون ایک جا جمع احباب سب
بزرگون سے محفل کی شوکت بڑھی ۔۔۔ عزیز اور پیارون سے عزت بڑھی
جہان اسطرح جمع ہون چار یار ۔۔۔ ہین اس بزم پر لاکھ گلشن نثار

ایضاً

شکر کہ از فضلِ خدائے جہان ❊ وقتِ خوشی از پردہ برآمد عیان
شادیٔ دل را سبب آمد بدست ❊ فرصتِ بزمِ طرب آمد بدست
تا شود از مقدمِ اہلِ کرم ❊ کلبۂ ما غیرتِ باغِ ارم

ایضاً

رفت آسیب زمستان بادِ نوروزی وزید ❊ دوستداران را بشارت باد و یاران را نوید
طرحِ بزمِ خرمی باہم گر باید نہاد ❊ نغمۂ شکرِ الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سَلامٌ مِنْ مُحِبٍّ مُسْتَكِينٍ ❊ يَلِيهِ الْخَيْرُ وَالْبَرَكَاتُ تَتْرىٰ
سَلامٌ مِنْ دُنُوٍّ يُوحِي رَاحٌ ❊ وَبَيْنَ يَدَيْهِ لِلْأَحْبَابِ بُشْرىٰ
وَدَعْوَةُ الشَّاهِدِينَ وَغَائِبِينَا ❊ مِنَ الْإِخْوَانِ وَالْخِلَّانِ طُرًّا

خاتمہ رقعہ شادی

فَأَطْيَبُ الْعَيْشِ فِي الدُّنْيَا وَأَرْغَدُهُ ❊ رُؤْيَتُهُ بِزِيَارَاتِ الْأَحِبَّا

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرشِ راہِ یارانے ❊ کہ از مسرتِ یاران مسرت اندوزند
بہ شادی و طرب ہمہ گر شوند انبار ❊ ہزار رخ ز فروغ دلے برافروزند

ایضاً

کار احباب ساختن بتوان ❊ دوستان را نواختن بتوان
تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند ❊ از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعارِ غزلِ ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا ❊ یہ جان ہے بدن میں یا خار ہے سینہ میں

حاضر ہو جب نہ دل ہی ہو باغ و راغ یکساں
ہم دوستو گئے بھی تو کیا گئے چمن میں

ہے اک خراش دل میں وہ ہو کہ پھر نہ آئے
زخمی ہیں قمریاں ہیں اور مشک ہے ختن میں

تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہے ورنہ
اے فاختہ دھرا ہے کیا سرو نازن میں

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہے انقلاب
آگیا یاروں کے اقراروں میں فرق

خود بتائے گا تمھیں دور زمان
بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق

ان پہ ہم قربان ہیں وہ ہم پر نثار
ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہو نیت گدا میں فرق
آسکے کیوں شاہ کی عطا میں فرق

ہیں وفادار اور بھی لیکن
ہے مری جان وفا وفا میں فرق

اشعار قصیدۂ ناتمام

یاد ایام کہ تھی باغ جوانی پہ بہار
نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

نشہ میں چور رہتے تھے اک بادۂ پر زور سے ہم
جسکا راحت میں نہ تکلف میں اترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیو خودی آکے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جسکا نہ عامل نہ سیانے کو آتا

روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق کوہان
ہم تھے اس توسن سرزور پہ دن رات سوار

رہتے تھے اس شتر مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس کے شتربان کے چھڑالی ہو مہار

پندگو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دلسوز
ہم انکی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار

خیرخواہ اور تھے غمخوار مربی جتنے
ان کی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار

ملکے ہمجولیوں سے جان میں جان آتی تھی
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار

اب امنگیں ہیں نہ وہ دلمیں نہ ترنگیں باقی
تیرے لے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

صدائے[۱] گدایان قوم

ڈھونڈھتے خضر مبارک پے کو یان آئے ہین ہم　　چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کاروان آئے ہین ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہین وہ سنکر ہون پژمردہ دل　　سخت عبرت خیز لیکر داستان آئے ہین ہم

ہند مین اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن　　لیکے اُس کا مژدۂ فصل خزان آئے ہین ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد[۲] نے　　آج اُس درپُرسی کے نوحہ خوان آئے ہین ہم

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیون کی یادگار　　جستجو مین اُسکی مشعل لے کے یان آئے ہین ہم

تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا　　اسلیے ڈالے گلے مین جھولیان آئے ہین ہم

خود غرض ٹھہرائین یا سمجھین ہمکو یا گدا　　دلمین یہ کہکے سب خاطر نشان آئے ہین ہم

فخر سب بیجا ہین اُن کے قوم ہو جنکی ذلیل　　فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہین ہم

ہے بنی ہاشم کی مہمان پروری ضرب المثل　　اس لیے یان بن بلائے میہمان آئے ہین ہم

تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آب حیات　　لیکے منھ مین قوم کی سوکھی زبان آئے ہین ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے تمھارے　　مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہر تابان

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہان سے　　ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہین کم　　اے معدن بزرگی اے خاک انگلستان

تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن　　ہندی بھی اِن دنون ہین قسمت پہ اپنی نازان

مہمان ہے آج اُن کا اس شاہ کا ولی عہد　　رشتے زمین کے سلطان جسکے ہوتے ہین مہمان

---

[۱] پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لڑکون نے جنھون نے اپنی جماعت کا نام گدایان قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور مین چندہ وصول کرنیکے لیے جانیکا ارادہ کیا تھا۔ اُنکا قصد رئیس کے حضور مین یہ اشعار پڑھنے کا تھا لیکن غالباً اتفاق جانا نہین ہوا ۱۲۔

[۲] چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس سے ہین اور عباسیون کی خلافت مین علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اسلیے مضمون اسطرح ادا کیا گیا ۱۲

شکریہ[۱] عطائے مدرسۂ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور سرجیمس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے اینگلو عربی اسکول دہلی

آئیے اے دلی کے دل آرا شہر دعا گو سب ہے تمھارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

ہے دلی کے تخت کا یہ دن شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمھارا گو نہیں ممکن رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر کیسے کیسے رعیت پرور
جن سے ہی ہندستان منور فخر ہے انگلستان کو جن پر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

آرنلڈ اک احسان کا پتلا آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دلی پہ فضل خدا کا تم نے جو دلی میں اسے بھیجا

---

[۱] چونکہ یہ نظم صغیر سن طالب علموں کے لیے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہز آنر کے روبرو مجتمع ہو کر بطور کورس کے گانے کی لے میں پڑھیں اس لیے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادے الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں ۱۲-

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری — آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اک باری — چشمۂ حیوان کر دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم — سب سے ہے یہ احسان مقدّم
تخم تعلیم میں کم سب سے ہیں ہم — تم نے مدد کی اپنی بہم

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے — پانچ برس کو ہم کو ملے تھے
لطف سے مدت اُنکی بڑھا کے — جیت لیے دل آپ نے سب کے

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمہارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے شور پکارا — تھا نہ کہیں بیٹھنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گزارا — مٹ گیا اب خلجان ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ کو پھر رحم جو آیا — گھر یہ عطا ہم کو فرمایا
حکم مرمت کا بھجوایا — ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا

جب تک شہر آباد رہیگا — نام تمہارا یاد رہے گا

درس کے کمرے جتنے ہیں اکثر — قدر ضرورت سے کچھ بڑھکر
بورڈر جن میں رہنے کو ہیں گھر — کھیلنے کو میدان ہے سراسر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہے گا

شہر میں جا کالج کو عطا کی — کین اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی — شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمھارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو جو فضائل — وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب اسکے دل سے ہیں قائل — اوا اسرائل - اوا اسرائل

جب تک شہر آباد رہیگا
نام تمھارا یاد رہیگا

اشعار مدحیہ

بحضور سر ٹیشین افرٹ پٹیرک لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب - انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احسان جہان — اس کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا احسان
حکمران آئے ہیں پنجاب میں ابتک جتنے — ایک سے ایک کا پلہ ہے عدالت میں گران
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا - اسدم — وقت رخصت تھا ہر اک انکو حسرت نگران
حال جو ہوتا ہے بچون کا بچھڑ کر ماں سے — یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم و گمان
جانشین اُن کے ہوئے آپ جب سر لائل — عہد سابق کو گئے بھول سب اپنا بے زبان
شکر سے عہدہ برا اُسکے نہیں ہوسکتے — رحم و انصاف ہوا ذات سے جو انکی عیان
اُٹھ گیا سر سے جب اس باپ کے سایہ ان کا — ہاتھ میں آپ نے لی آکے حکومت کی عنان

کارفرما تھے جب اضلاع میں پنجاب کے آپ — معدلت آپکی اسوقت سے مشہور ہے یان
حیدرآباد میں۔ میسور میں۔ کلکتہ میں — نیکنامی سے کیے کام رہے آپ جہان
ہے یہ اب آپ سے امید کہ پنجاب میں بھی — مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آسان
بعد سر لائل و سر چارلس کے سر ڈینس بھی — چھوڑ جائینگے ہر اک لب پہ عقیدت کے نشان

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل ربا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا — جب دور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتون — جاسے گا ٹوٹ جسدم اس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اسکو — کھا جو کہ تجھکو اپنا آرام دل سمجھتا
چل دینگے جب وہ سارے۔ اُن بلبلوں کی مانند — بعد از بہار جو نغمہ کرتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکیگا آخر یہ عیش کا زمانہ — کون آکے دیگا تجھکو اسکے سوا سہارا
بیمہریوں سے تو نے جسکو کیا ہے غمگین — تیری خبر وہی کچھ لیگا تو آکے لیگا
جسطرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جاکر — پھر موسم خزان میں آکر ہے ہم سے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایکدن وقت نے دولت سے کہا — سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا مین — تو ہے انسان کی دولت یا مین
ہے زمانہ مین بڑی بات تری — دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے سنکے یہ دولت نے کہا — تجھکو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب۔ جسکو خدائی مانے — اس کی تو خوبیوں مین شک جانے
سبز ہے گلشن دنیا مجھ سے — لیتے ہین توشۂ عقبےٰ مجھ سے

ہے قرابہ ترا اگر عطر آگین | میں ہوں اس عطر کی واللہ زمین
ہے عبث تجھ کو تفوق کا خیال | تو ہے گر مال تو میں راس المال
جنکے قبضے میں ہوں ہیں اہل دولت | تجھ کو رکھتے ہیں وہ دست قدرت
لاکھ بار ان سے اگر بھاگے تو | بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو
ان کی مٹھی میں ہے تو اے دولت | طائر رشتہ بپا کی صورت

نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود | جس کا نایاب ہے عالم میں وجود
کھو کے مجھکو کوئی پاتا نہیں پھر | جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجے گنوا | لیجے ہاتھ اس سے ہمیشہ کو اٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت | پل وہ ملتی نہیں پھر اے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز | میری ایک ایک پل ان کو ہے عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس | ہے مرا جاگتے سوتے انھیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا | مجکو سرمایہ دین و دنیا
دل میں جن کے مری کچھ قدر نہیں | انکی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دین
نہ کوئی کام ہو ان سے انجام | نہ ارادہ ہو کوئی ان کا تمام
نہ انھیں دین کی دولت ہاتھ آئے | اور نہ دنیا کبھی ان سے بن پائے
نہ ادا صوم ہو ان سے نہ صلوٰۃ | نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد ان سے کچھ اپنی کی جائے | نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
گن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت | ہے مگر تنگ مجال فرصت
بس نہ یارہ نہیں مہلت مجھ کو | بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک اک آن

ناقصون کے دعوے کاملون کے سامنے فروغ نہین پاتے

ہے لیاقت جنمین کچھ قدر قلیل — اور سمجھتے آپ کو ہین بے عدیل
اُن کو ایسون سے نہین ملنا روا — جو لیاقت رکھتے ہین اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئین — دیکھنا لازم پہاڑ اسکو نہین
سر مین ہے جگنو کے یہ سودا اگر — شے نہین مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دن کو نہ نکلے زینہار — ورنہ ہو گا اپنے جی مین شرمسار

قطعات تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادۂ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہین ہی۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہی تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اسکے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہی کہ مادۂ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اسپر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہی اسلیے اکثر طوعاً و کرہاً یاروں کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپج سے بھی تاریخین لکھنی پڑی ہین

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیون کے عہد مین ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اسکے پاس نے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہی۔ تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھولدے۔ اُس نے کہا بھائی مین نے نبوت کا دعویٰ کیا ہی۔ آہنگری کا دعویٰ نہین کیا۔ انکا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ ہمنے خدا کی طلب مین درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک مین اُن لوگون کا ہی جو شاعری مین بدنام ہین اُنکو کسی مصرف کے نہین سمجھے جاتے اور درحقیقت ہین بھی نہین البتہ لوگون کی غرض کبھی کبھی اُن سے اس وقت متعلق ہو جاتی ہی جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور مین آتا ہی مثلاً کسی اصطبل کی مرمت ہوئی۔ یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلی نے بچے دیے ایسے وقت مین شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہی جو شخص مادۂ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمایش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہی اس کا فی الجملہ اعتبار بڑھ جاتا

راقم چونکہ تاریخ نکالنے مین سدا سے بیٹا تھا اس لیے ہمیشہ اس امتحان سے کترا تا رہا لیکن بُری بھلی چند تاریخین جو کبھی کبھی دوستون یا بزرگون کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھین ان مین سے جسقدر سردست بہم پہونچین دیوان مین شامل کردی گئین تاکہ دیوان کے ضروری اخلاط مین سے ایک خلط کم نہو جائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی راہ لی ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل مین درد تھا

اُس دن کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ دُنیا سے دل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا

حالی کہ جسکو دعوئ تمکین وضبط ہے دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا

تھا گو وہ اک سخنور ہندوستان نژاد عرفی و انوری کا مگر ہم نبرد تھا

اس قافلہ مین آکے ملا گو وہ سب کے بعد اگلون کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا

ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جان گزا دل تھا کہ فکر سال مین بے صرفہ گرد تھا

ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی مین فرد تھا

تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا[1]

۱۲۱۱ ۳۰۰ ۲۷۹۶

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی۔ اے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چون ترک جان گفت ز نخل جوانی ثمر برنخورده

(۱) یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ اُن کی غزل کا مقطع یہ ہے "یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جان کی ہے + حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" اخیر مصرعہ کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہین جبانمین سے لفظ تاریخ کے عدد ۱۲۱۱ ۔ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۷۹۶-(۱۲۱۱-۳۰۰) = ۱۲۸۵ھ

بگفتم ز روے الم سال فوتش بجان آفرین جان شیرین سپرده
۱۲۹۲ + ۱ = ۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوے ناصر وزیر راہی ملک بقا — سب ہوئے اندوہگیں شہر کے برنا و پیر
دل نے کہا ہر جگہ پھبتی ہے چیز اک جدا — باغ میں نسرین و گل چرخ پہ مہر منیر
عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ مرگ — غیب سے آئی ندا "خلد میں ناصر وزیر"
۱۲۹۸ھ

تاریخ طبع جغرافیہ بے مثال مولفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج — چھپا مژدہ اے طالبان کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ — عیاں جس سے ہے ربع مسکوں کا حال
ملی طرفہ تر اس کی تاریخ طبع — وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو — تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
۱۲۹۹ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی — کہو اس کو جغرافیہ بے مثال
۱۸۸۲ع

تاریخ بپایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاوٹھی در بلند شہر

علی آن سید والا کہ باشد — بنامش مہربان جزوے ز اجزا
بود با ذات او توام سیادت — چنان کز نام او مہرست پیدا
چو این کاشانہ را بنیاد بنہاد — بعہد حاکم بیدار و دانا
گروسیس آن فیض گستر کہ جودش — شد این معمورہ چون گلشن سراپا
چنین گفتمش حالی سال تعمیر — مکان بے نظیر آباد بادا
۱۲۹۹ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر فرمان روائے ملک دکن

بسال فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ
نظام الملک محبوب علی خان آصف ثانی

بہ تخت سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش
برائے وی مبارک تاج و اورنگ جہانبانی

۱۳۰۱ھ

تاریخ تالیف قواعد اردو مؤلفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا
بیان شافی ہے اور ترتیب محکم

کتابین اس سے پہلے تھین بہت سی
زیادہ حجم مین اور نفع مین کم

مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ
کہ ہین جس مین قواعد سب فراہم

وجود اس کا ہے گو سب سے مؤخر
یہ خوبی مین ہے اکثر سے مقدم

جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل
نہ دینار اسمین لگتے ہین نہ درہم

اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب
تو ہے اے طالبو "اکسیر اعظم"

۱۳۰۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی

دردا کہ ضیاء دین احمد بربست[1]
رخت سفر از جہان کہ جای الم است

از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلسا
بگسستہ بہ رحمت الٰہی پیوست

[1] یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ مین سے جو کہ ضیاء دین احمد کے اعداد ہین ۳۲۱ جو کہ طاق، ایوان، بزم، اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے تفریق کر کے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹۴ مین جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہین ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہین اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۹۲۹ − (۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴) = ۶۰۸ + (۶۹۴) = ۱۳۰۲ھ۔

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جوان مرد آزادہ عاشق کہ نیست　　در اقرانِ خود کس مر او را قرین

نہ صیاد و ہموارہ از حسنِ خلق　　پے صیدِ آزادگان در کمین

نہ سحار و پیوستہ ز افسون نطق　　کشد ز آشیان باز و شیر از عرین

ہمے بارد از جبہ اش انبساط　　اگر مہربان ست و گر خشمگین

نہ بینیش گہ سرکہ بر ابروان　　نہ یابیش افتادہ چین بر جبین

دو سال ست کافسون مہر و وفاش　　ربودست صبرم ز جان حزین

ولے دیدہ پیوند نا آشنا　　کہ بودست فارغ ز مہر و ز کین

ندانم کہ عاشق چہ افسون دمید　　کہ در باخت خود را بمہرش چنین

سررشتہ ہیہات وا دم ز دست　　سخن ز آسمان بود و رفت از زمین

کنون رانم از طبع دیوان سخن　　کہ شد جلوہ فرما بہ نوعے گزین

درین روزہا کز صروف زمان　　سخن شد مہان و سخنور مہین

عروسِ سخن می نیرزد بجو　　بحسن ار بود غیرتِ حورِ عین

صد آباد بر عاشق و عزم او　　کہ در دورِ ناسازگاری چنین

ز معنی بہ بیگانہ و آشنا　　فشاندست گنجینہ از آستین

چو دیوان اردوی عاشق کہ ہست　　صنمخانۂ طرفہ گفتی ز چین

بپیرایۂ طبع آراستند　　شنیدند از ہر کنار آفرین

سخن گسترش بود از رشتے در جہان　　ز شادی نگنجید در پوستین

چو حالی ہمے جست تاریخِ طبع　　صنم خانۂ عاشق آمد سنین

۱۳۰۷ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ

بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

بسعی جناب آنریبل سر سید احمد خان بہادر

ہدایت کیجئے اگر سال ہجرت کی محرم سے — تو کہیے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا

کلام اللہ اترا آخر ماہ مبارک میں — ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا

نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے — بنایا جس نے دار العلم کا یہ چشمۂ زیبا

زبس دیے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش — کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمۂ فیض احمد کا"

۱۳۱۲ھ

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارۂ تعلیم عام نے — ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب

دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی — اب ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب

ہیں لفظ دلکشا تو مضامین ہیں دلنشین — ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب

چھپ کر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا — "دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب"

۱۸۸۲ء

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع موں واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگان موں زبذل و نوالش

ساختہ منزل گہے چو بہر غریبان — تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش

۱۸۷۷ء

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خان مرحوم دہلوی رئیس جہانگیرآباد متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

جَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنّٰتٍ وَّحَرِیْرًا

آیہ قرآنی میں بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا ہی چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی ہوتی تھی اس لیے جنّةً کی جگہ جنّات کر دیا گیا ہو جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجاے فروح و ریحان و جنت نعیم کے فروح و ریحان و جنات النعیم کر دیا ہی۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے اس لیے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات سے نہایت مناسب تصور کیا گیا یعنی جناب باری نے بعوض اُنکے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُنکو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفےٰ خان مرحوم رئیس جہانگیرآباد

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ

۱۲۹۴ھ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہی کہ پہنائے گئے اُن کو چاندی کے کنگن۔ بجاے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہو۔ گویا اُن کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں آیتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاست گاہ بہاولپور

کَاَنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِیْرِ

۱۲۹۶ ہجری

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" ہے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام "اِنَّہٗ" کی جگہ "کَاَنَّہٗ" کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اس لیے قواریر میں الف لام بڑھا کر "الْقَوَارِیْرِ" کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُس کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے فوراً پائنچے چڑھا لیے حضرت سلیمان نے کہا "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" یعنے یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنانے میں "اِنَّہٗ" کی جگہ "کَاَنَّہٗ" کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمانؑ کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اُس وقت بہاولپور میں ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا سنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ نہ اس لیے کہ اس میں دو جگہ اپنی طرف سے تصرف کیا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اُس میں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند حرم سرا ے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

لَحٰاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا اِنْ ھٰذَا اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ

۱۳۰۸ھ

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۸ھ اسطرح نکلتے ہین کہ آیت کے جملہ اولی یعنی لحاش للّٰہ ما ھذا بشرا کے اعداد ۱۷۵۴ ہین۔ ان مین سے ھذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا بجاے اسکے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۸ حاصل ہوجاتے ہین۔

تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ان ھذا الا ملک کریم سے نکلتا ہو کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یون کیا جاے کہ نہین ہو "ھذا" مگر ملک کریم" تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے مین "ھذا" کی جگہہ "ملک کریم" رکھدو اور اسی طرح ۱۳۰۸ حاصل ہوجاینگے اصل آیت مین حاش للّٰہ ہو بضرورت لام اضافہ کرکے لحاش کر دیا گیا ہو۔ آیت کا ترجمہ یہ ہو (حاشا اللہ یہ بشر نہین ہو یہ تو ہو نہو کوئی معزز فرشتہ ہو) جو عورتین زلیخا کی فریفتگی پر اُس کو ملامت کرتی تھین جب حضرت یوسف دفعتاً اُن کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے منہہ سے نکلے تھے اُن کو قرآن مین اسطرح نقل کیا گیا ہو۔

تاریخ وفات حسین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص مظہر

سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

۱۳۰۳ھ

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ اللہ تعالی نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چندروز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہو چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلیے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخون

کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ قبر پر جو کہ دلّی مین حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہ کے جوار رحمت مین واقع ہے کندہ ہے۔

قطعات تاریخ از نتائج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخون مین سے یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لیے کوئی اور موقع نہ تھا اس لیے بطور یادگار اُن کو بھی اپنے دیوان مین شامل کر لیا گیا ہے۔

تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہٗ متخلص بہ عالم

آن قلندر علی وحید زمان — در نجابت زبیری و سندی
خاک پانی پت از سکونت او — در جہان شد علم بہ مستندی
مرد و باخویش برد حکمت و علم — ماند خلقے بہ کوے نابلدی
جز دل او کہ بود جملہ صفا — نقد ہر کیسہ جیدیست و ردی
جز کتابش[1] کہ بد ہمہ حسنات — درج ہر نامہ نیکی ست و بدی
گفت سال وفات او مظہر — رفت عالم[2] بہ جنت ابدی
۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسۂ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آن یاری گر قوم — کہ مر اہل وطن را بود یاور
سوے جنت زدنیا رخت بربست — ازین غم تافت دلہا ہمچو آذر
دریغ آن نیک خواہ جملہ احباب — دریغ آن غمگسار ہر برادر

---

[1] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲

[2] مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

دریغ آن درسگاه اہل اسلام | کہ ماند از زمردنش بے برگ و بے
چنین سال وفاتش یافت مظہر | شدہ جنت مقام سعد اکبر ۱۳۰۰ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصفجاہ نظام الملک میر محبوب علیخان بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہ دکن چون نہاد حسب مراد عباد | افسر دولت بہ فرق پاے برِ اورنگ داد
سال جلوسش خرد گفت کہ بے سر شد | فتنہ و فسق و فجور و شر و فریب و فساد ۱۳۰۰ھ

ایضاً

عیان شد چو عید جلوس نظام | بسے خوشتر از عید وصل حبیب
خرد فرقِ اعدا تراشیدہ گفت | کہ نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب ۱۳۰۰ھ

تاریخ ولادت فرزند ارجمند در کاشانۂ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شد چو خورشید شرف طالع بمشکوئے نظام | قدسیان گفتند شمع ملک و دولت آمدہ
مظہر اندر فکر تاریخ ولادت رفتہ بود | عقل گفت این لعل از کانِ شرافت آمدہ ۱۳۰۱ھ

تاریخ مدار المہامی نواب میر لایق علیخان مرحوم در سرکار عالی

دوش کردم ز عقل چند سوال | کوست حلال مشکلات و عقد
گفتمش کے بود کہ شاہ دکن | بنشیند بہ مسند اب و جد
گفت جشن جلوس فرخ او | در ہزار است و سی صد ست و احد
گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟ | قرعہ بر لایق علی خان زد

گفتمش سنگ ہا دریں را ۱۵ است [illegible] — گفت زود آکہ حق بہ خواجہ رسد
گفتمش خواجہ کے شود دیوان — گفت "حق میرسد بمرکز خود" ۱۳۰۱ھ

تاریخ بنا و مرمت مسجد مولانا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری مذہب بنا فرمود — بیت حق را کہ اعظم است وقدیم
خبرش داد ہم صادق — کرد تعمیر کعبہ ابراہیم ۱۳۰۰ھ

ف بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور اُن کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی ہے تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعۂ تاریخ میں نہایت خوبی سے آیا ہے ۱۲

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نایاب کتابین

مقدمہ شعر و شاعری دیوان حالی کا مقدمہ صرف اس خیال سے علحدہ چھاپا گیا ہی کہ دیوان حالی
پڑھنے والے طلبا پر کتاب کی خریداری کا بار نہو۔ اس مین شاعری پر
فلسفیانہ و محققانہ بحث کرنیکے ساتھ ساتھ اُردو شاعری کے جملہ صنفات پر نہایت لطیف تبصرہ کیا گیا
اور اگرچہ مذہب شاعری کے بعض معتقدات عام سے اختلاف کرنیکی بنا پر حضرت حالی کو مورد
طعن بننا پڑا تاہم بجنوف تردید کہا جاسکتا ہی کہ نکتہ چینون کے نزدیک بھی مولانا حالی کا مقدمہ دیوان
بے نظیر اور قابل قدر معلومات کا گنجینہ ہی قیمت ۱۲؍ و عمصر

اُردوئے معلّٰی مرزا غالب مرحوم کے اُردو خطوط کا مجموعہ جسے لوگ بجا طور پر موجودہ انداز تحریر کی بناء اول
کہتے ہین۔ اُردو نثر مین جو پاکیزگی صفائی اور سلاست آج نظر آتی ہی یہ بہت کچھ اُسی کا فیض ہی
اسکے حصہ اول میں صاف اور سادہ عبارت کے خطوط ہین جنکے مطالعہ سے صحیح اور فصیح اُردو لکھنے مین مدد ملتی ہی
اور حصہ دوم میں وہ رقعات ہین جنمین مرزا نے لوگون کو صلاحین یا شاعری کے متعلق کچھ ہدایات لکھی ہین۔
بعض کتابون کے دیباچے اور تقریظین بھی اسمین شامل ہین قیمت ۱۲؍

شرح دیوان غالب (از مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی الملقب بہ نواب حیدر یار جنگ) دیوان غالب
کی متعدد شرحین لکھی گئی ہین مگر سب سے مبسوط و مفصل شرح یہی ہی اور چونکہ شارح خود
ایک باکمال شاعر اور فاضل اجل ہین اسوجہ سے یہ شرح خاص طور پر قابل مطالعہ ہی قیمت ۱۲؍

سرمایۂ زبان اُردو حضرت جلال لکھنوی مرحوم کا دم لکھنؤ کے آخری دور مین غنیمت تھا اُنکے شاعرانہ کمالات
مستغنی عن التعریف ہین۔ یہ انھین کا لغت ہی جسے ارباب ذوق نے نہایت درجہ پسند کیا
اور انھین کی ضرورت پر نظر کرکے اب دوبارہ چھاپا ہی۔ اس لغت مین اُردو کے عام محاورات کا مفہوم اور
محل استعمال سمجھانے کی خاص کوشش کی گئی ہی قیمت ۱۲؍

آفتاب داغ نواب مرزا داغ دہلوی مرحوم کا لاجواب دیوان مدت کے بعد دوبارہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہی
ابتدا مین حضرت داغ کے مختصر حالات زندگی دیے گئے ہین قیمت عمصر